جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اوراصلاحی ترجمان

ماہنامہ معارف قاسم جدید دہلی

جلد نمبر: ۱۱

زیر سرپرستی

- حضرت م ا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت م ا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ
- حضرت م ا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت م ا مج راہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت م ا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت م ا سید نظام الدین، پٹنہ
- حضرت م ا حکیم محمد اسلام انصاری، میرٹھ
- حضرت م ا مفتی عبداللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی   **مدیر:** ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

مجلس ادارت

حمید الدین مظاہری، عقیل انور مظاہری، رضوان الحق قاسمی
شمشیر عالم جامعی، حسان جامی قاسمی

سرکولیشن انچارج: شاہد عبداللہ

سالانہ تعاون

200 روپے
بیرون ممالک کے لیے 100 ڈالر
خلیجی ممالک کے لیے 350 درہم

خط وکتابت

ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی''
این ۹۳ ر سیلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲ ر بٹلہ ہاؤس
جامعہ نگر نئی دہلی -110 025

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

کمپوز وڈیزائن: محمد ارشد عا ندوی

پرنٹر وپبلیشر، چیف ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی، 2 سے چھپوا کر ''معارف قاسم جدید''
این ۹۳ دوسری منزل، سیلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲ ر بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Ph: +91-11- 26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & Po. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt: Supaul - 852 125 Bihar (India)
Ph: +91-9771807585, 9931906068

حسن ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	اداریہ	ڈاکٹر شہاب الد ماقب قاسمی	3
۲	افتتاحیہ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	5
۳	رمضان المبارک نیکیوں اور رحمتوں کا موسم بہار	ادارہ	18
۴	احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ	حضرت م مامفتی محمد شفیع صاحبؒ	21
۵	بیس رکعار براویح جمہور امت ۔ ر د یک سب	م امحمد شفیع قاسمی	26
۶	رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کے تقاضے	مظفر حسین رحمانی	31
۷	عید الف اہمی اخوت ومحبت کا تہوار	ولی الدین و مدوی	33
۸	حفظ قرآن کا اصل مقصد	باور رحمٰن	35
۹	مکی سورتوں میں امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر	انور جمال قاسمی مظفر پوری	39
۱۰	دینی مدارس میں مدریس حدیث	م مااشہد رفی مدوی	47
۱۱	حضرت م مامحمدز با مدھلوی م حر مدنیؒ	م ماسید محمد شاہد سہارنپوری	51
۱۲	حکیم الامت حضرت م مااشرف علی تھانویؒ	م ماانیس الرحمٰن قاسمی	59
۱۳	دین میں اضافہ او ح مدایجادات ووسائل	محمد انعام الحق قاسمی	64
۱۴	حراج عقیدت بہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	تھامس کارلائل/ ڈاکٹر سمر احمد بن عبد الرشید	67
۱۵	رپورٹ مسابقۃ القرآن الکریم وتعلیمی بیداری کنونشن	ابوحمنہ شہاب	90
۱۶	...جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا میں ساتواں کل ہند.....	// //	93
۱۷	تبصرہ (نقوش بسم اللہ)	ڈاکٹر شہاب الد ماقب قاسمی	96
	نعت نبوی ﷺ	حکیم الاسلام حضرت م ماقاری محمد طیب صاحبؒ	99
۱۸	معارف کی ڈاک	قارئین کے خطوط	100

اداریہ

بات سچ ہے تو عمل کرنے کا عہد کریں!

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

سب سے پہلے تمام دینی بھائیوں کو رمضان کریم کی دلی مبارکباد۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس ماہ مقدس کے برکات و حسنات کی قدر کی توفیق عنایت کرے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔

امت خیر ہونے کے سبب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس موقع پر اپنے ان بھائیوں کی رہائی کیلئے باری تعالیٰ سے دعا کریں جو حکومت کی گندی سازشوں کا شکار ہو کر جیل کی سلاخوں میں بلا قصور گناہوں کی سزا کاٹ رہے ہیں اور ان کے اہل خانہ مختلف پریشانیوں سے دوچار ہیں،نیکیوں اور رحمتوں کے اس ماہ میں خدا ہماری دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت سے نوازے گا اور ان مظلومین و بے قصوروں کی رہائی کا کوئی راستہ نکال دے گا۔

قابل ذکر ہے کہ ۲۰۱۱ میں مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی گرفتاری کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ۲۰۱۲ میں بھی بند نہیں ہوا، بلکہ اس میں مزید شدت آتی گئی،حکومتی مشینری، پولیس اور خفیہ ایجنسیوں نے اپنے آقا امریکہ واسرائیل کے اشارہ پر اپنے پیر پھیلاتے ہوئے پہلے مہاراشٹر، پھر اتر پردیش اور اب صوبہ بہار کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔اس صہیونی سازش کے تحت گزشتہ چند ماہ میں بہار کے مختلف اضلاع سے اب تک درجنوں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کر کے انہیں جیل میں قید کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں دہشت گردی کے معاملات میں حالیہ مہینوں میں مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں اور پراسرار گمشدگیوں کے بارے میں حقوق انسانی کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ ”مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے پیچھے ایک منظم سوچ کارفرما ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر پست کرنا ہے“۔

دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیے گئے بہار کے قتیل صدیقی کو پونے کی جیل میں قتل کیے جانے اور سعودی عرب میں انجینئر فصیح محمود کی مبینہ طور پر خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں گرفتاری کی خبروں کے بعد حقوق انسانی کی تشویش فطری ہے۔

اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ بہار ہو، یوپی یا مہاراشٹر، کسی بھی جگہ مسلمانوں کو آتنک وادی کہہ کر گرفتار کیا جاسکتا ہے اور آپ کی کوئی مدد بھی نہیں ہوگی حالانکہ کئی برسوں کے بعد وہ بے قصور رہا ہو جاتے ہیں لیکن اس وقت تک ان کی زندگی برباد ہو چکی ہوتی ہے اور حکومت نہ تو انہیں کوئی معاوضہ دیتی ہے اور نہ ہی بلاوجہ گرفتار کرنے والے افسران کو سزا دی جاتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے ان اقدام کے خلاف ملی جماعتوں، سماجی کارکنوں اور سیکولر ذہن کے حامل دانشوران کی جانب سے مسلسل احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں مگر حکومت کان میں انگلی دیے بیٹھی ہے بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں مسلمان ایک طرف دہشت گردی تو دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات کی مار جھیل رہے ہیں،یعنی ہر سطح سے مسلمانوں کو

کمزور اور انہیں ستانے کا سلسلہ نہ صرف جاری ہے بلکہ دراز ما جارہا ہے۔مسلم قوم کے اسسار اور مسلکی اختلافات میں شدت اختیار کرنے کا کامل مدہ یہ مش ماں اٹھارہی ہیں کیوں کہ انہیں مات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک یہ قوم ان بکھیروں میں الجھی رہے گی ان کا کچھ نہیں بگڑ سکتا،اور یہ سب ۔ برا المیہ ہے کہ اس وقت قوم مسلم عالمیؔ رنہ صرف سوئی ہوئی ہے بلکہ پوری طرح سے خواب غفلت کا شکار ہے،اور فی الحال اس کے جاگنے کی دور تک کوئی سبیل نظر نہیں آرہی ہے۔اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے حداور اس کے رسول ﷺ کے فرماں رعمل ما تو دور اسے اپنی مدگی سے یکسر نکال ما ہے،ایسی صورت میں غیبی امداد کی توقع رکھنا کارعبث ہے۔ضرورت ا مات کی ہے کہ پہلے اپنی مدگی میں انقلاب لائیں،فرما ماری تعالی اور ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق پورے معاشرہ شریعت مطہرہ کے مطابق ڈھالیں کر ہمارے معاشرہ میں یہ انقلا ما کیا اور قوم مسلم پھر سے جاگ گئی تو دنیا کی کوئی طاقت،کوئی ملک اور موساد جیسی ماک یہودی خفیہ ایجنسی بھی ا رہاتھ ڈالنے سے پہلے مار سوچے گی۔

مگر اس وقت جو حالات ہیں اس کے تناظر میں یہ توقع رکھنا کہ امت مسلمہ میں بیداری آئے گی اور ان میں مثالی اتحاد و اتفاق قائم ہوجائے گا دور کی کوڑی ہے،ویسے قوم کے اتحاد و اتفاق کی فکر رکھنے والے افراد و اشخاص اپنی کوششوں کو جاری رکھیں،بقول شخصے مات سچ ہے تو عمل بھی اسی کے مطابق ہو صرف مان ہلا کر ہاں ہاں کرنے سے کچھ نہیں ما"۔

البتہ مات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندستانی حکومت اور اس کی مش ماں جس رچل رہی ہیں وہ نہ صر ملک کی سالمیت بلکہ جمہور ت کیلئے بھی خطرہ کی گھنٹی ہے،چونکہ اس کا جو طریقہ کار مار گیٹ مشن ہے وہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک کو تبا ر ماد کرنے کے لئے کافی ہے مارخ شاہد ہے کہ اس صہیونی اور نصرانی فکر نے جس ملک اور خطہ میں قدم رکھا وہاں کے امن وسکون کو غارت ما۔انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے حکمراں اسی سوچ کو اپنا مدیل مانتے ہوئے تک رخطر رگامزن ہیں،جو ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کیلئے نیک فال نہیں ہے۔

قارئین کرام!معارف قاسم مد کی یہ انفرادی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے روز اول سے دینی،دعوتی،علمی اور اصلاحی مضامین رجیح دینے کے ساتھ ساتھ ملی مسائل ربھی قوم کی رہنمائی کے فریضہ کو بخوبی انجا ما ہے،ہمارا یہ شمارہ بھی حسب سابق ماہ مقدس کی مناسبت سے کر اں قدر مضامین کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔اس شمارہ کے افتتاحیہ میں حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی کے اس تحقیقی مقالے کو پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے جامعۃ القرآت کفلیتہ گجرات کے دوروزہ قومی سیمینار کیلئے فن مدو قرأت کے موضو رکیا تھا رگان دین کے کالم کے تحت حضرت م ماسید محمد شاہد سہارنپوری دام رکاتہم کے قلم سے حضرت شیخ الحدیث م مامحمد ما مدھلویؒ کی حیات خدما ربہت ہی قیمتی اور قابل رشک رآ رھیں گے۔معارف قاسم کا یہ شمارہ کیسا لگا ضرور بتائیں اور اپنے قیمتی مشورہ سے ہمیں نوازیں،نیز رکت بخشش اور نجات کے اس ماہ میں راقم الحروف،جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ،اس کے طلبہ،ا مدہ اور مخلصین ومعاونین کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔

❁ ❁ ❁

افتتاحیہ

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

فن تجوید و قراءت کے فروغ میں

گجرات کے دینی مدارس کا کردار

حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی کا یہ مقالہ (فن تجوید وقراءت کے فروغ میں گجرات کے دینی مدارس کا کردار) جامعۃ القرآت کفلیتہ گجرات میں ۱۱/۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۴/۵ اپریل ۲۰۱۲ء میں منعقدہ دو روزہ تاریخ ساز سیمینار بعنوان ''گجرات میں فن تجوید وقرأت کی خدمات'' کے موضوع پر پیش کیا گیا تھا، سیمینار میں مکمل مقالہ پڑھنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا ہے، اس لئے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے اس بار معارف کے ''افتتاحیہ'' میں من وعن مکمل مقالہ شائع کیا جارہا ہے۔ (مدیر)

الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علی آلہ و صحبہ و علی من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین، اعوذ بااللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، اوزد علیہ ورتل القران ترتیلا (سورۃ المزمل آیت ۴)! أما بعد:

اس اٹوٹ حقیقت سے کسی بھی عوام خواص کو انکار کی گنجائش نہیں کہ علومِ دینیہ کی تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت میں مدارسِ دینیہ کا کردار انتہائی نمایاں اور درخشاں رہا ہے۔ دینِ اسلام جس کی حفاظت کی ذمہ داری باری تعالیٰ نے خود اٹھائی ہے، اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک انتقال انہیں مدارس کے وجود اور پیہم کوششوں سے ممکن ہوا۔ آج اگر اسلام کا چارسو پھیلاؤ ہے تو اس میں ان ہی دینی اداروں کا خاصا کردار شامل ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی اور اس کے فروغ میں اہلیان مدارس اسلامیہ نے محدود وسائل اور بے سروسامانی کے باوجود کبھی تساہلی اور کوتاہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اس سلسلہ میں ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ حالانکہ علماء کی اس جماعت کو ہر زمانے میں دشمنان اسلام کی سازشوں اور ان کی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، صیہونی طاقتیں اسلام اور اس کے قلع یعنی دینی مدارس کو نہ صرف بدنام کرنے کی بلکہ اسے اس صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہیں اور آج بھی یہ قوتیں اپنے ان ناپاک عزائم کو منصوبہ بند طریقے سے انجام دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی ہیں مگر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

اگر مدارس اسلامیہ کا وجود نہیں ہوتا اور علماء کرام اپنی ذمہ داری میں کوتاہی سے کام لیتے تو مجھے یہ بات کہنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ اسلام کے دشمن اپنے مقصد میں بڑی حد کامیاب ہو چکے ہوتے۔ مدارس کی ہی دین ہے کہ آج آپ کو تاریخ اسلام کی وہ تمام قدآور شخصیات، جن کے کارہائے نمایاں پر دنیا فخر محسوس کرتی ہے، اسی چشمہ سے فیض یافتہ ملیں گے۔

ان تمام تر خوبیوں اور درخشاں ماضی کے باوجود دینی

مدارس میں کچھ ایسے تشنہ پہلو موجود ہیں جن کی سیرابی ابھی باقی ہے، مثلاً ہمارے اِن اداروں (خصوصاً برصغیر پاک و ہند) میں متنوع قراءاتِ قرآنیہ کو بطور نصاب پڑھانے سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ بظاہر اس صرفِ نظر یا دانستہ اغماض کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کیونکہ بہت سارے ایسے علوم ہیں جو متنوع قراءت کی مدد پر تن آور درخت کی سی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ یہی قراءت قرانیہ تفسیر قرآن میں مجمل معنی کی وضاحت کررہی ہوتی ہیں، انہیں قراءت کی مدد پر استنباطِ احکام میں کسی فقیہ کو راجح مسلک کا علم ہوتا ہے، یہی قراءت عقیدہ سلف کی توضیح اور نکھار میں ممد ومعاون ثابت ہورہی ہوتی ہیں، انہیں کی مدد پر قرآن کریم کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا کہ: ’’وَاِن كُنتُم فِي رَيبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا علي عَبدِنَا فَاْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثلِهِ وَادعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ الله اِن كُنتُم صٰدِقِينَ فَاِن لَّم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا...الخ‘‘(البقرۃ: ۳۲)

(اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری نہیں، تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنالاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ، لیکن تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کرسکتے) اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا نطق اور کیفیت اَدائی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ نے سکھائی تھی، سے آشنائی ملتی ہے، لیکن ارباب مدارس، افسوس کہ اس سے بے اعتنائی برتتے رہے اور برت رہے ہیں۔

قابل استعجاب امر یہ ہے کہ ماضی قریب کی دو تین دہائی میں علوم وفنون کے تئیں جو بیداری آئی اس علمی بیداری سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اہلیان مدارس اور علماء کرام نے اپنے اداروں میں وقت کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے حسب استطاعت جدید علوم وفنون کو اپنے نصاب میں شامل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دینی مدارس میں عصری علوم سے متعلق کئی شعبے موجود ہیں اور اب اس پر اس لئے پوری توجہ دی جارہی ہے کہ اس سے طلبہ کا مستقبل وابستہ کیا جاتا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے اسی صورت میں وہ آگے چل کر بہ آسانی مادیت پرست دنیا کا سامنا کرسکتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہماری یہ سوچ مزید ڈیولپ ہورہی ہے اور ہم اس سمت میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ مدارس دینیہ کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سمینار اور مذاکروں کا باضابطہ انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان سمینار اور مذاکروں کو منعقد کرنے کا مقصد بتایا جاتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں اگر آپ جدید علوم سے بے خبر ہیں تو دنیا کی آنکھ سے آنکھ نہیں ملاسکتے وغیرہ۔۔۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کی یہ فکر غلط اور نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور اس قسم کے علماء کرام کے ذریعہ مدارس کو ان کے حقیقی مقاصد سے دور کرنے کی کوئی سازش ہے۔ ہمیں ان باتوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ مدارس کو ماڈرن کرنے کیلئے اتنا زور کیوں دیا جارہا ہے۔ کیوں حکومتی سطح پر بھی یہ مانا جارہا ہے کہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی ضروری ہے، کیوں کہ گھسے پٹے فرسودہ نصاب پڑھ کر دینی مدارس کے طلبہ اقتصادی طور پر کبھی مضبوط نہیں ہوسکے۔ اسلئے ان کے بہتر اور تابناک مستقبل کیلئے ضروری ہے کہ ان کو علوم جدید سے آراستہ کیا جائے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ جس فن پر ہمارے مذہب کی بنیاد منحصر ہے اور جس کا براہ راست تعلق کلام اللہ سے

اس غیر معمولی فن سے ہمارے مدارس تہہ دامن ہوتے جا رہے ہیں، اس پر مخلصانہ توجہ نہیں دی جا رہی ہے اور اسے غیر اہم سمجھ کر نظ مداز کیا جا رہا ہے۔ اس قیمتی فن پر مذاکرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی لوگوں میں بیداری کے کوئی مہم چلائی جاتی ہے۔ جس سے کہ اس اہم فن کی افادیت کا انہیں اندازہ ہو اور اس فن کو سیکھنے کیلئے بھی اس طرح جدوجہد کریں جس طرح دیگر علوم کیلئے دن رات کر دیتے ہیں۔

لاکھ کوشش کے باوجود ہم ابھی تک یہ نہیں جان سکے ہیں کہ وہ کون سے پیمانے ہیں جن کی بنیاد پر علم قراءت کو دیگر علوم کے مقابلے میں کم اہمیت کا حامل کیا۔ معلوم نہیں اہمیت وافادیت کا پیمانہ کیا ہے، جہاں دیگر علوم تو تک جنبش حرکت دوڑے، لیکن علم قراءت وہاں تک نہیں پہنچ پا رہا ہے؟ حالانکہ ہماری دانست میں یہ علم دیگر علوم کے مقابلے میں کسی بھی طرح کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

مبارکباد کے مستحق ہیں علماء گجرات، اور گجرات کے دینی مدارس بالخصوص حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ جامعۃ القراءت کفلیتہ کے بانی اور قاری احمد اللہ صاحب قاسمی صدر القراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل جن کی سرپرستی میں جامعۃ القراءت کا قیام عمل میں آیا۔ وقت کے نباض قاری اسماعیل صاحب نے ملت اسلامیہ کے بہی خواہان کو جمع کر کے زمانے کے تقاضہ کو سمجھا اور اس سے لوگوں کو آگاہ کیا ان کا یہ قدم کرنے سے ابتدا کیا قدم ہے مگر ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر ان کی یہ کوشش آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کے علاوہ بھی گجرات میں ایسے علماء کی کثیر تعداد ہے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فکر کی گہرائی اور نظر کی وسعت سے نوازا ہے، آج بھی تجوید وقراءت کے فروغ میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن پاک کو سیکھنے کیلئے جو قواعد بتائے گئے ہیں ان میں قاری نور محمد کے مرتب کردہ 'نورانی قاعدہ' کو جو برتری حاصل ہے اس کی نظیر نہیں ملتی اسی طرح تلاوت قران کریم میں جو شہرت وعظمت قاری عبدالباسط (۱۹۲۷۔۱۹۸۸) کو ملی وہ بھی تاریخی حقیقت ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ علماء گجرات اور یہاں کے دینی مدارس اس معاملے دونوں کی اتباع کرتے ہیں اور اسی انداز میں طلبہ کو درس دیتے ہیں اور یہی ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس سے قبل کے ان مدارس کا تذکرہ کروں جن میں قراءت قرانیہ باضابطہ نصاب میں شامل ہے اس غیر معمولی فن کی اہمیت و افادیت پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

تلاوت قرآن اور تجوید کی اہمیت

قرآن مقدس اور احادیث نبوی میں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ ہم قرآن کو پوری قوت کے ساتھ پکڑیں، آداب ظاہری باطنی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں، قرآن یاد کریں اور روزانہ اس کی تلاوت کا اہتمام کریں، جو شخص قرآن پڑھے گا، قرآن اس کے لیے سفارش کرے گا اور صاحب قرآن سے قیامت کے روز کہا جائے گا:

'' قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا بس تیرا رتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے''۔ **(ترمذی باب ما جاء فی من قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

''جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھا، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے خاندان کے ایسے دس

آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے، جن کے لیے جہنم واجب ہوچکی ہے"۔ (ترمذی باب ما جاء فی فضل قاری القرآن)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی جو شخص ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتا ہے، اس کے لیے اس دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الم حرف، الف حرف، ولام حرف، وميم حرف". (ترمذی باب ماجاء في من قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر)

(جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے، میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔)

اسی طرح یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اولاد کی تعلیم میں سب سے پہلے ان کو قرآن کی تعلیم دی جائے، کیوں کہ قرآن کی تعلیم سے بہتر کوئی اور تعلیم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"خيركم من تعلم القرآن وعلمه". (ترمذی باب ما جاء في تعليم القرآن)

تم میں سب سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور اس کو سکھلائے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے، اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل کرتا ہو"۔ (ابوداؤد)

اس لیے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ خود قرآن سیکھے، اپنی اولاد کو سکھائے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ان الذی ليس في جوفه شيئ من القرآن كالبيت الخرب". (ترمذی)

جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

مکاتب و مدارس جہاں قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر تلاوت کلام پاک اور اس کا دور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔ (مسلم فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

اس لیے اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں کہ اللہ کے کلام کی تلاوت کی جائے، اس کو سمجھ کر عمل کیا جائے اور اس کی ہدایتوں کو عام کیا جائے گھروں اور مساجد میں قرآن کو تجوید کے ساتھ سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی ایک کتاب میں قرآن پاک سے متعلق چند کوتاہیوں کا ذکر کیا ہے اس میں آپ نے بہت ہی قلق کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں تجوید کا قطعی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہل

علم کا نمبر غیر اہل علم سے پ رھا ہوا ہے، حتیٰ کہ ک صاحب سو ماس میں ''مـن الـجـنـة و الـنـاس'' کو اس طر رھتے ہیں: ''مـن الـجـنـات و الـنـس'' پھر بعضے اس میں مس حد کے امام ہوتے ہیں۔ اس وقت اس غلطی ر دوسروں ک بھی دو طور سے پہنچتا ہے۔

ک یہ کر کوئی مقتدی صحیح خواں ہوا تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چونکہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت سے اُمّی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے، اس لیے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی، پس کت ری تباہی مات ہے۔

دوسرے اس طور سے کہ یہ امام صاحب کر زمرہ اہل علم ہوئے تو علماء کی عوام میں سخت بے وقعتی ہوتی ہے جس ر ک گونہ علماء کے اتباع و اقتداء ک بھی سرا ت کرسکتا ہے، ہر چند کہ مد کے وجوب کے متعلق کلام طویل و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر رہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب ک کہ عدم قدرت و عدم مساعدت لسان متیقن نہ ہوجائے، جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ مدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عر اقی نہیں رہتی اور عر ت مدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے۔ پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا، اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہوسکتا ہے؟

اس میں قرآن ا عربی کی کیا تخصیص ہے؟ ان کی صحت اس کے خاص طرز ا رموقوف ہے، مثلاً لفظ ''پنکھا'' اور ''ک'' میں اخفا ہے۔ کر نون میں اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط ہوجاوے گا، اور لفظ ''کھمبا'' اور ''دنبہ'' میں تلاب ہے کر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہوجائے گا ات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا۔ نعماء حرت کی رغبت، نعماء دنیا ر نہیں رہی ا

للہ ما الیہ راجعون۔''

آگے آپ رقم طراز ہیں ''اس کا بھی التزام رکھیں کہ جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں۔ کسی ماہر کو اس کی متعدد مختلف سورتیں سنوادی جاویں۔ کر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔ کرارزاں نہ۔ کراں لاویں۔

کیسی ظلم مات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈ مدا ماہے حتیٰ کہ لوہار، معمار، نجار بلکہ گانے بجانے والا ک بھی، او حدا کے روجوس کی طرف سے وکیل بن کر کھڑ ماہے وہ چھاٹ کر ایسا رکھا ماہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلّہ میں ماکارہ مدھا چندھا، رالحواس، گنوار، مدتمیز، جاہل ہو۔ غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے، اس کو امامت کے لیے انتخاب کیا ماہے۔''

اہل مدارس اور مشائخ کو اس جاب توجہ دلاتے ہوئے حکیم لامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے۔ ''اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ما چاہیں امتحان داخلہ کا کہ حراو حراء ادہ نہیں ردرجہ میں سہی صحت قرآن کو بھی قرار دیں ا مدون تجربہ صحہ ما بعض حالات میں کم از کم وعدہ تصحیح تو ضرور لے لیا جاوے مدون اس کے داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ک سبق کی جگہ اس تصحیح کو رکھیں اور اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں اور نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو ک مدرس مد کا مدرسہ میں ر ماضرور ہے۔ اس طریق سے یہ فن عام ہوسکتا ہے۔ اسی طرح مشائخ کو چاہئے کہ اپنے مدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآ رمجبور کریں۔''

مد میں افراط وتفریط

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مد میں افراط

اورتفریط سے بھی بچنے کی ہدایت کی ہے۔ ایک جگہ آپ نے اس حوالے سے کچھ اس انداز میں تنبیہ فرمائی ہے۔

"بعضے تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر کاوش اور بحث ہی تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا اس وقت لوگ ض، ظ میں الجھے والے دیکھے جاتے ہیں مگر انشاءاللہ تعالیٰ ادا کا نام خاک بھی نہیں، بعضے عمل تک پہنچنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں اس میں یا تو خودکوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتارلیتے ہیں اور یا حرھاؤ صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحبات قرأة بھی فوت ہوجاتے ہیں، یعنی حرف گھٹا بڑھادیتے ہیں یا غنہ یا مد حذف کردیتے ہیں تاکہ وزن ٹھیک رہے۔

سواس کی نسبت سرکار نبوی علیہ کا ارشاد ہے:

"اقراء والقرآن بلحون العرب واصواتها وایاكم ولحون اهل العشق واهل الكتابين. (مشکوٰة شريف، ص ۱۹۱، عن حذيفة رضى الله تعالى"، (بحواله بيهقى ۱۲ محمد على غفرله)

(تم قرآن شریف کوعربوں کے طریقے اوران کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اوراہل کتاب کے طریقوں سے بچو)

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اوراس کولحون عرب سمجھنا خطاء عظیم ہے۔ جیسا شراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق واہل کتاب میں داخل ہے جس کا منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تولحن اہل عشق کون ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تواس زعم کاتخطیہ کررہے ہیں اورلہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے اوربعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہیں مگر خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہو۔ جائے اورکسی کو ذرا تحسین صوت کا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے۔ مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے۔

برصغیر پاک وہند میں تجوید وقراءت:

مناظر ردعیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانہ میں ہندوستان سے ہجرت کرکے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ عربوں کی نظر میں ہندوستانی علماء کی کوئی وقعت نہیں، انہیں حقیر نظر سے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ ہندی علماء قرآن کریم غلط پڑھتے ہیں اور مدارسِ عربیہ میں تجوید کا کوئی اہتمام نہیں، جبکہ تجوید کی فرضیت قرآن وحدیث اوراجماع امت سے ثابت ہے اورکسی نے اس کا انکارنہیں کیا مگر طلباء تجوید کوفضول سمجھتے ہیں، بعض بڑے بڑے مدرسین بھی کہتے ہیں: "علم سیکھو، تجوید میں کیا رکھا ہے؟" اوروعظوں میں کچھ اور ہی رنگ ہوتا ہے۔

"مدرسہ صولتیہ" مکہ مکرمہ کا آغاز

"حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے پہلا کام یہ کیا کہ حرم مکی میں مدرسہ قائم کیا اور ہندوستانی بچوں کو جمع کرکے پڑھانا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں "قاری عبدالقادر مدراسی، فاضل جامعہ ازہر" مصر سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے، یہ علم وفن کے باکمال قاری تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے انہیں اپنے یہاں مدرس رکھ لیا۔

"مدرسہ صولتیہ" کی تعمیر

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ترغیب پر مغربی بنگال کی ایک عظیم خاتون "صولت النساء" نے اپنا سارا سرمایہ اسی مدرسہ کی تعمیر پر لگا دیا، "مدرسہ صولتیہ" اسی نام پر ہے۔ "قاری عبدالقادر مدراسی" کی ہر وقت کی محنت اورلگن نے مدرسہ کو چار

مدلگادیئے۔خلوص وللّٰہیت کے جذبہ نے بچوں کا تلفظ اورلہجہ ایسا قابل تعریف ما کہ عرب بھی شوق سے سنتے۔ م مارحمت اللہ کیرانویؒ کی فکرسلیم نے حقارت نفرت والے ماحول کوالفت ومودّت ے مدلا ما، حب مدرسہ کے جلسے میں ہندوستانی بچے تلاوت کررہے تھے تو عرب بھی جھوم رہے تھے۔

سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ م حرمکیؒ کوا مات کا بہت صدمہ تھا کہ حجاز مقدس میں عرب ہندوستانی علماء کوحقارت نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اوران کے پیچھے نماز نہیں رھتے، کیونکہ انہیں قرآا رھنا نہیں ما۔حضرت م مارحمت اللہ کیرانوی کی فکرسلیم اورحضرت قاری عبداللہ مکی کی محنت ولگن نے ہندوستانیوں کےسروا رعزت ووقا ماج رَ ما۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ م حرمکیؒ نے حضرت تھانویؒ کو ۱۶ رحب ۱۳۱۰ھ کوخط لکھا کہ ہندوستانی علماء کو قرآا رھنا نہیں ما، جس کی وجہ سے عرب حقارت نفرت سے دیکھتے ہیں اوران کے پیچھے نماز نہیں رھتے۔اس لئے حضرت م مارحمت اللہ کیرانوی نے مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی دورہی میں ت مدکا اہتمام کیا۔اس مدرسہ کی امتیازی شان ت مدوقراءۃ ہے اوردوسرے عا مانوی درجہ میں تھے مگرلزوم کے درجہ میں حضرت قاری عبداللہ مکی نے ''مدرسہ صولتیہ'' کو کرالقراء ما تھا۔
حضرت م ما اشرف علی تھانوی کوحضرت قاری عبداللہ مکی کے لگائے ہو ماغ، یعنی ت مدوقراءۃ کے طلباء کی تلاوتوں نے اتنا ر کیا کہ آپ فن ت مد کے لئے ٹھہر گئے، چنانچہ آپ نے رھنے میں ایسا کمال حاصل کیا کہ حب مدرسہ مالائی منزل میں مشق کرتے تو کوئی مداز ہ نہیں لگا سکتا تھا کہ حضرت قاری عبداللہ ر ھ رہے ہ ماحضرت تھانوی۔آپ نے ت مد رس نہیں کی، بلکہ قرات سبعہ کی بھی تکمیل کی اورمبتدی طلباء کے لئے مارہ میں قرات سبعہ کا حراء لکھا، جس مام ''تنشیط الطبع'' ہے۔حضرت تھانوی نے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم سے متعلق ت رکی، جس میں آپ نے شکایت کی کہ مدارس عربیہ میں ت مد وقرات کا کوئی اہتمام نہیں ہے، جس کی وجہ سے عالم تو بن جاتے ہیں ما ت مدقرآا رھنا نہیں ما، حضرت کی اس ت رکا ر ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۳۱ھ میں شعبہ ت مد کا حراء اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی یہ شعبہ قائم ہوا۔

مدارس میں مدریس قراءت کی ضرورت کیوں ہے؟

مدریس قراءت کے تعلق سے ماب مدارس کی بے اعتنائی کا سلسلہ ر روز دراز ما جارہا ہے۔حالانکہ یہ علم دیگر علوم کے مقابلے میں کسی بھی ط ر رنہیں ہے۔اس کی افادیت کے پیش نظر اسے کیوں مدارس دینیہ کے نصاب کا حصہ ما چاہئے؟ یہ جاننا انتہائی ضروری ہے۔ا مات کو چند مثال سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔
تفسیر کامعنی ہے الفاظ قرآنیہ کامفہوم اس طرح پوری وضاحت سے بیان ما جائے کہ اس میں کوئی ابہا ما اجمال باقی نہ رہے۔سو جہاں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر علوم معاو ماب ہوتے ہیں وہی علم قراءت بھی مجمل الفاظ کی تفصیل اورابہام کی توضیح مانظ ماہے۔

پہلی مثال:

ار ماری تعالیٰ ہے: ''وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ'' (النساء : ۲۱)

آیت مذکورہ میں لفظ 'اخ' اور 'اخت' میں ابہام ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ذکرکردہ کیا حصہ کس بھائی اور بہن کا ہے؟ حقیقی (سگے) بھائی اور بہن مراد ہیں، علاتی (باپ کی طرف

سے ہو یا اخیافی (جو ماں کی طرف سے ہوں)

تو دوسری قراءت میں اس کی وضاحت یوں موجود ہے: "وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنْ أُمٍّ"

یعنی "جو اخیافی بہن بھائی ہوں، ان کا وراثت میں یہ حصہ ہے۔"

دوسری مثال

قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ الخ..."

"(ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اہل و عیال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔" آیت بالا میں بھی لفظ 'رَقَبَۃٍ' کی وضاحت موجود نہیں کہ قسم کا کفارہ دیتے ہوئے اگر غلام آزاد کرنا مقصود ہو تو کیا غلام میں کوئی تمیز موجود ہے کہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم یا کسی بھی غلام کو آزاد کیا جا سکتا ہے؟

تو قراءات کا اختلاف ہمیں بتاتا ہے کہ اس ضمن میں غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے، کیونکہ دوسری قراءت میں لفظ 'رَقَبَۃٍ' کی صفت 'مُومِنَۃٍ' سے بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی مسئلے کی تفسیر میں ایک قراءت سے معنی اس طرح واضح نہیں ہوتے جیسے متنوع قراءات مسئلہ کو کھول کر بیان کرتی ہیں، چنانچہ اس پہلو سے دینی مدارس میں متنوع قراءات کی تدریس کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عالم دین تفسیری مشکلات کو بھی اس طرح سے حل نہ کر سکے جس طرح قراءات سے واقف عالم دین کر سکتا ہے۔

نصوص کا ظاہری تعارض اور علم قراءات

وہ مسائل جن میں بظاہر نصوص میں باہمی تعارض نظر آرہا ہے اور رفعِ تعارض کے لئے تطبیق کی کوئی صورت نکالنا ہوتی ہے، وہاں بھی قراءات ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰه" (الجمعة: ۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔" مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے کہ جب تمہیں جمعہ کے لئے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے دوڑو، جبکہ دوسری طرف صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ

(انّ ابا هريرة قال سمعتُ رسول الله يقول اذا اُقيمت الصلوة فلا تاتوها تسعون واتوها تمشون، عليكم السكينة فما ادركتم فصلّوا وما فاتكم فاتمّوا) (صحيح مسلم: ۷۵۸)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑ کر اس کی طرف نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ، تم پر اطمینان لازم ہے۔ جو پا لو پڑھ لو اور جو رہ جائے اُسے مکمل کر لو۔" اب بظاہر دو نصوص کے درمیان تعارض کی کیفیت نظر آ رہی ہے۔ آیت قرآنی کے مطابق نماز جمعہ کے لئے دوڑ کر آنا چاہئے جبکہ حدیث نبوی نماز کے لئے دوڑ کر آنے سے منع کر رہی ہے، اب اگر دیگر قراءات کو سامنے رکھا جائے تو یہ ظاہری تعارض بآسانی دور ہو رہا ہے، مثلاً ایک دوسری قراءت میں لفظ 'فاسعوا' جس کے معنی دوڑنے کے ہیں، کی جگہ لفظ 'فامضوا' ہے جو اطمینان اور سکون سے چل کر آنے کا معنی دیتا ہے یا دوسری قراءت نے اس ظاہری تعارض کو یوں رفع کیا کہ حدیث نبوی کا مفہوم اپنی جگہ

ٹھیک ہے اور آیت قرانی میں لفظ 'فاسعوا' کا مفہوم جمعہ کے لئے انتہائی کوشش اور جستجو سے آنے کا ہے، جو دوسری قراءت کو سامنے رکھے ہوئے حد کہ کہا ہے۔

یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کیا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ بیمار افکار کے حامل، اِعتزالی روش کے عادی اور فہ سرور محققین کیسے اَحادیث کو قرآن کریم کے مقابل لاتے ہیں اور پھر قرآن کریم کی اتھارٹی کا بہانہ بنا کر ذخیرہ اَحادیث سے ہاتھ صاف کرنے کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ فتنہ اِنکارحدیث ہمیں کیوں سبق نہیں دیتا کہ علم قراءات کو پس پشت ڈالنا تاکہ مذکورہ محققین کو کھلی چھٹی دینا ہے تاکہ وہ قراءات کو 'فتنہ عجم' کا نام دے کر اُسے مشکوک ٹھہرائیں اور پھر نصوص کے باہمی تعارض کو بہانہ بنا کر اَحادیث صحیحہ کا انکار کردیں؟

آج ارباب مدارس کو قرآن اور سنت دونوں کے تحفظ کے لئے اس طرف توجہ دینا ہوگی تاکہ نقب زنوں کی تمام راہیں مسدود کردی جائیں اور فتنہ باز دانشوروں کے فتنوں کو متعدی ہونے سے روکا جائے۔

مختلف فقہی اَحکام کا اِستنباط اور علم قراءات

بسا اَوقات دو مختلف قراءات مختلف مسائل کے استنباط کا مدہ بھی دیتی ہیں، مثلاً

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ'' (البقرۃ: ۲۲۲) ''اور تم ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہوجائیں۔'' یعنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اُسے حیض آنا بند نہ ہوجائے۔ قراءات حفص کے اعتبار سے بیوی سے جماع کے لئے حیض کے بند ہونے کے بعد غسل کی صورت میں طہارت ضروری نہیں، صرف حیض کا بند ہونا ہی کافی ہے جبکہ دوسری قراءت میں يَطْهُرْنَ 'ط کے سکون کے بجائے تشدید کے ساتھ يَطَّهَّرْنَ ہے جس کا معنی ہوگا کہ بیوی کے قریب جانے کے لئے حیض کا بند ہونا ہی کافی نہیں بلکہ غسل کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ دو مختلف قراءات سے الگ الگ مسائل کے استنباط سے یہ مترشح ہورہا ہے کہ اس مسئلے میں تخفیف کا پہلو موجود ہے۔

جس طرح اہل مدارس جمود و اِضمحلال سے تحقیق و اجتہاد کی طرف، عصری علوم کی بیگانگی سے اس کی درس و تدریس کی طرف اور فقہ الواقع کی جہالت سے آشنائی کی طرف مثبت پیش رفت کررہے ہیں اسی طرح ہم اپنی منتظمین مدارس سے یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ متنوع قراءات کی افادیت کے پیش نظر اس کی بطور نصاب تدریس کے مسئلے میں بھی اپنا کردار ادا کریں گے، تاکہ جہاں ہمارے نونہالان حفاظتِ قرآن کریم کی سرمدی ذمہ داری کی عملی تعبیر بن سکیں وہاں وہ قرآن کریم کے معنی و مفہوم اور تشریح و توضیح کو بھی منہج سلف کے مطابق بآسانی سمجھ سکیں اور اس طرح قراءات قرآنیہ کو 'فتنہ عجم' کہنے والے دانشوربازوں کے سامنے مضبوط چٹان کی صورت میں کھڑے ہوجائیں تاکہ ہوائے نفس کی پیروی کرنے والے، جو خود فتنہ عجم ہیں، اپنے فتنہ کو متعدی نہ کرسکیں۔ اسی طرح ان کے فکری اماموں جو قرآن کریم کو بھی تورات و انجیل کی طرح بازیچہ اطفال بنانے کا مذموم ارادہ رکھتے ہیں، کو ناکام و نامراد ہوجائیں اور جان لیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کو عملی تعبیر دینے والے بیداری کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

اختلافِ قراءات کے سلسلہ میں کسی اجنبیت کا شکار ہونے کے بجائے اس کے سلسلہ میں سادہ بصیرت کا استعمال بھی شافی اطمینان دے سکتا ہے۔ دیکھیے کہ یکساں ان حب مختلف

علاقوں اور قبائل میں پھیلی ہو تو بسا اوقات اس کے بعض الفاظ کے استعمالات اور لہجوں میں اتنا فرق واقع ہو ماہے کہ ک جگہ کے رہنے والوں کے لیے دوسری جگہ والوں کے لہجوں ۃ مات ما رامشکل محسوس ماہے، جیسا کہ دہلی اور لکھنو کی اُردو کا حال ہے۔ حب قرآن مجید دورِ نبوت کے مشہور قبائل قریش، ہذیل، تمیم، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر میں پھیلا تو ان کی عربی میں کئی فر مائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کو سات حروف (لغات ولہجات) میر مارنے کی ک اہم حکمت یہ بھی تھی کہ اس کے پہلے مخاطبین ک ہی لہجے کے تکلف کا شکار نہ ہوں۔ البتہ حب بعد ازاں لوگوں کے مختلف مداز سے کلام حکیم کو رھنے سے مغالطے پیدا ہونے لگے، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام حروف کو یکجا جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا سرکاری راہتمام ما کر چہ رسم الخط میں قریش کے رویے کو رجیح دی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی مطبوعہ قرآن میں کئی لفظوں کو اپنے حروف میں لکھ کر بعض حروف کے ر دوسرا حرف بھی ڈال ما ماہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اس حرف کی جگہ وہ بھی رھا جاسکتا ہے جیسے ''سورہ غاشیہ کی آ ''لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ'' میں 'ص' کے ر 'س'... چونکہ اس زمانہ میں عربی کتاب نقاط وحرکات سے خالی ہوتی تھی، اس لیے ک ہی نقش میں متنوع قراء توں کے سمونے کی گنجائش موجود تھی، لیکن بعد میں حب لفظوں اور حرکتوں سے متنوع شکلوں کا فرق واضح ہونے لگا، تو قرآن مجید بھی علیحدہ علیحدہ قراء توں میں شائع ہونے لگے۔ اسی طرح دنیا کے مختلف خطوں میں مخصوص قرأتیں رائج ہوئیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق رصغ ماک وہند، وسط ایشیا او ران وعراق سمیت شرق اوسط) میں جس طرح ''قراءت امام عاصم کوفی... بروایت حفص' مروج ہے، اسی طرح قرون وسطی کے مغرب (شمالی افر مدلس) میں ''قراءت ا مافع مدنی... بروایت ورش' عام ہے۔ دنیا بھر میں ان دو قراء توں کے علاوہ دیگر قراءت میں بھی قرآن مجید مشہور ماتی اداروں کی طرف سے مسلمان حکومتوں کے اہتمام میں چھپے آرہے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کریم میں کتاب کی بجائے اصل 'تلاوت' ہے، لہٰذا خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ماہرین قراءت کے ساتھ 'مصحف امام' کی نقول مختلف جہات میں روانہ فرمائی تھیں اور آج ک انہی قراء کے حوالہ سے متعدد قراءت کی من ر روایت نبی کریم ک نہ صرف محفوظ و مامون ہیں، بلکہ ہر زمانہ میں لاکھوں قاری اپنی مخصوص قراءتوں میں ان کی تلاوت کرتے ہیں اور دوسروں کو حفظ کرانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علمی اور تحقیقی کام بھی بہت وسیع و عریض ہے۔

مغرب کے سیاسی اور فکری غلبے کے نتیجے میں حب مسلمانوں کے دین وایمان سے متعلقہ علو ر بھی مستشرقین نے یلغار کی، تو انہیں 'محمد عربیؐ' کی سب وسیرت کا کمال اور قرآن کی حفاظت کا اعجاز بہت کھٹکا، کیونکہ دنیا بھر میں 'قرآن' کے علاوہ کسی الہامی کتاب کی اس طرح انتہائی حفاظت وتلاوت کا تو دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ بہت سوں نے سیرت رسول کے مارے میں شبہات پھیلائے تو دوسروں نے قرآن کی قراءتوں کو 'فتنہ عجم' بتا کر اشکالات پیدا کرنے کی کوشش کی، حالانکہ قراءت کا تنوع قرآن کے اعجاز ہی کا ک پہلو ہے، اس میں اختلاف کا تضاد ممکن ہی نہیں۔

چونکہ دورِ حاضر مسلمانوں کے علمی انحطاط کے ساتھ ساتھ ایمان وعقیدہ کی کمزوری سے بھی دوچار ہے، لہٰذا بعض مام

نہاد اہل علم... مغرب کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات سے ر ہونے لگے اور انہوں نے ىک طرف جہاں آزادی تحقیق . ا رسب وحدىث کا انکار ا سب وحدىث کو الگ الگ کرکے استخفاف حدىث کا روىہ ا، تو دوسری طرف قرآنی علوم کی وسعت۔ ا واقفی کی بناء ر اپنے ملک میں رائج قراءت کے علاوہ دوسری م ر قراءتوں کا انکار ا، حالانکہ کتن ری بوالعجبی ہے کہ قرآن جیسی عالمگیر کتاب کو اپنے علاقہ ىک مخصوص کرلیا جائے ا ہم ان سب کچھ کمزوریوں ے ا وجود اللہ تعالیٰ نے اپنے 'ذکر' کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، چنانچہ ان فتنوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کی طرف سے اس کی حفاظت کے لیے ادنیٰ سے اعلیٰ مساعی مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔ رص اک و ہند میں ىد وقراءت کے مدرسے کسی سرکاری رستی کے بغیر تو ىہ کام کرہی رہے ہیں، علاوہ ازیں سرکاری اہتمام میں جامعہ ازہر اور مدینہ یونیورسٹی کے ' ىد وقراءت' کے شعبے خصوصی ط رقابل ذکر ہیں۔

گجرات کے دینی مدارس اور فن ىد قراءت:

بلاش ا سب گجرات کا علاقہ کئی معنوں میں مبارک و فیض رساں ہے۔ دین وشریعت ے ا سبانوں نے گجرات کے مختلف حصوں میں: حراغ ا تھا اس کی روشنی آج بھی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔

ىہ سچ ہے کہ علوم اسلامی کی حدمت مختلف عہد میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں ہوتی رہی ہے اور ىک طویل عرصہ ىک علاقہ گجرا ر دوسرے علاقے فائق ر ا ہم فی زمانہ صوبہ گجرات کے علماء ومبلغین ملک وبیرون ملک جس طرح دین حدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابل رشک ہی نہیں بلکہ قابل ستائش بھی ہے۔

گجرات کو علم ومعرفت اور تہذىب وتمدن کے علاوہ کے اور وجوہات سے بھی امتیازی خصوصیت حاصل ہے ارىخ کے مطالعہ اور مؤرخین کے اموں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی ىہ وہ واح ا سب ہے جہاں اصحاب رسول علیہ السلام کے قدم مبارک رے ہیں۔

ا سب گجرات میں صحابہ کرامؓ کی آمد اور ان کے نقوش جاوداں کے حوالے سے متعدد مورخین نے سیر حاصل بحث کی ہے اور معتبر شواہد وثبوت سے اپنے اس دعویٰ ا سب کیا ہے۔ ع کرھ مسلم یونیورسٹی کے ش ارىخ کے سابق صدر اور معروف ارىخ دا روفیسر خلیق احمد نظامی رقم طراز ہیں[''گجرات صدیوں ىک علم وفن کا کر اب ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ، اقتصادی ىدگی کی شہ رگ اور ىک کرم تجارتی منڈی رہا ہے، روحانی اور مادی ىدگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع ہوگئی تھیں۔ بعض اعتبار سے تو ہندوستان کے قرون وسطیٰ ارىخ میں اسے پورے ملک میں ىک امتیازی حیثیت حاصل تھی، ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا جس کے سرسبز پہاڑ ور رسب سے پہلے مسلمانوں کی ن ری تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتدا اسی خطۂ زمین سے ہوئی، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرا رقدم رکھا، کوئی تعجب نہیں کہ کچھ صحابہ یہاں آئے ہوں اور اس سرزمین میں آسودۂ خواب ہوں''

(ا ام''یعنی مخ ارىخ گجرات ص۱۱-۱۲)

روفیسر نظامی کے اس دعویٰ کی صداقت راس لئے یقین کامل ہے کہ علامہ حکیم سید عبدالحیٔ حسنیؒ (۱۹۲۳ء-۱۸۶۹ء) نے بھی سرزمین گجرا رصحابہ کرامؓ کی آمد کی تصدیق فرمائی

ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے صرف بارہ برس بعد یعنی ۱۵ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بحرین وعمان کی حکومت پر عثمان بن ابی العاص ثقفی کو مامور کیا جن کا شمار صحابی رسول ﷺ میں تھا۔انہوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حکم بن ابی العاصؓ کو بحرین کی حکومت پر مامور کرکے حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں۔اس کے بعد حضرت حکمؓ نے بذریعہ کشتی اپنی فوج کے ہمراہ گجرات کے ساحل پر قدم رکھا۔ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس پر خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا، اسی یک ہستی کو وحدہ لاشریک لہٗ جاننے اور اسی کو قادر مطلق اور مُصَرِّف الامور ماننے والوں کا قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا اور اسی سرزمین کے دشت وجبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے''

مصنف آگے رقم طراز ہیں: ''اس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا ان میں غالباً وہ انفاس قدسیہ بھی تھے جنہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال آرا دیکھا تھا،اورآپ کی پاکیزہ صحبت وروحانی تعلیم سے بھی مستفید ہوچکے تھے۔ ان فدائیان اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کے آغوش میں گنج بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں، گرچہ ہم کو اس کنز مخفی کا پتہ نہیں ہے مگر یہ یقینی ہے کہ بمبئی اور بھروچ کے گردونواح میں ان کا خزانہ سپرد خاک ہوا ہوگا''۔

(اسلامی ...نام'' ص۴۴-۴۵)

یہ بات سب گجرات کو دوسرا شرف یہ حاصل ہے کہ فن حدیث کا پہلا مصنف بھی اسی سرزمین کی آغوش میں مدفون خاک ہے۔ ۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ المہدی باللہ نے عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو جہاد کے لئے روانہ کیا تو اس کے ہمراہ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جنہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن حدیث میں کتاب تصنیف کی تھی۔[''اُسد الغابہ'' ... في الاسلام، دیکھئے ''کشف الظنون'] عبدالملک نے عظیم فتح حاصل کرنے کے بعد واپسی کا ارادہ کیا مگر وہ زمانہ ... ہواؤں کا تھا اس لئے انہوں نے کچھ دنوں ... قیام ... مناسب سمجھا، اسی دوران ہوا میں عفونت پیدا ہوئی اور تقریباً ایک ہزار افراد اس ... کا شکار ہوگئے۔ ان شہداء میں ربیع بن صبیحؒ بھی شامل تھے اس لئے یہیں سپرد خاک ہوگئے۔مؤرخین کے بقول یہ دوسرا شرف گجرات کو حاصل ہے کہ ایسا عظیم شخص اس کی آغوش میں خوابیدہ ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے اور صاحب 'کشف الظنون' کی رائے میں مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے کتاب تصنیف کی ہے۔ان کے حلقۂ تلامذہ میں امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، امام وکیع بن جراحؒ، امام علی بن عاصمؒ جیسے ائمہ دین اور علماء ... شامل ہیں۔

علاوہ ازیں ہندوستان میں بخاری شریف کی سب سے قدیم شرحیں 'مصابیح الجامع فی شرح صحیح البخاری' بدرالدین محمد بن ابوبکر اور فیض الباری فی شرح صحیح البخاری مصنف سید عبدالاول بن علاء الحسینی گجرات میں ہی لکھی گئی تھیں۔ یہاں علامہ شمس الدین سخاوی، علامہ ابن حجر مکی وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد میں آباد ہوگئے تھے اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں اپنی پوری زندگی بسر کردی تھی۔ یہاں کی درسگاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند سے علم ومعرفت

کے شیدائیوں کو کھینچتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ سولھویں اور سترہویں صدی میں تو ایسا محسوس ما ہے کہ گجرات دینی وثقافتی مدگی کا کر: کیا تھا اور مدہی کوئی د ما علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحّر علماء یہاں موجود نہ تھے۔ بقول علامہ سید عبدالحئی حسنی کہ ''علوم و فنون میں کر گجرات شیراز تھا، تو حدس کی حدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت کھتا تھا''۔

گجرات میں مشاہیر علماء متقدمین نے علم ومعرفت کی جو قندیلیں روشن کی تھیں ان کی لَو آج ماقی ہے۔ ہر زمانے میں اس سرزمی رعلماء کی ک جماعت ایسی رہی ہے جس نے اپنے ا رعلماء ومشائخ کے نقش قد ر چلتے ہوئے علوم وفنون کی حتی المقدور آبیاری کی۔ ان کے نقوش ماقیات کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ا کراں قد حدمات کو آنے والی نسلوں ک پہونچانے کی اپنی دینی ذمہ داری کو بخوبی ما۔ آج بھی اسلامی علوم کے اہم فن مدقراءت کی بقا اور فروغ میں ا ماسب کے علما اور مدارس پیش پیش ہیں اور اس فن کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اس تعلق سے حضرت م ما غلام محمد وستانوی (ئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر) کی کاوش ما قابل فراموش ہیں۔ ان کی رستی میں ملک بھر میں 'مسابقۃ الکران کریم' کا انعقاد اس فن کی جاس علماء، طلبہ اور اہل علم کی توجہ مبذول کرانے ماب طریقہ ہے۔ اسی طرح میری جانکاری کے مطابق گجرات جن مدارس میں فن مد وقراء، ما ضابطہ نصاب میں شامل ہیں اور جہاں ماہر فن علماء اس حدمت کو انجام دے رہے ہیں ان میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، جامعہ اشرفیہ ر، جامعۃ القراءات کفلیتہ، جامعہ علوم القران، جمبوسر، جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، دارالعلوم ما جوگواڑ، جامعہ حسینیہ ر، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ، دارالعلوم فلاح دارین، جامعہ قاسمیہ علمیہ کھڑود، دارالعلوم عربیہ آنند اور جامعہ اصلاح البنات سملک، دارالعلوم حبی ما نولی اور لسان آمنہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اولذکر (جامعۃ القراءت کفلیتہ) ؛ ما ضابطہ یہ فن نصاب میں شامل ہیں۔ اور یہاں ماہر فن ا مدہ اس شعبہ سے منسلک ہیں۔ ضرورت ا مات کی ہے کہ ملکی راس فن روتج و اشاعت کیلئے مدارس میں 'بیدار کرام اور مذاکرہ کا انعقاد کیا جائے۔ جن مدارس میں ماہر فن علماء ہیں اس تعلق سے ان کی حدمات حاصل کی جا ما حدا کے کلام اور مذہب کی سب سے مقدس کتاب رھنے کا ان میں سلیقہ آئے۔

نئ نسل کو بھی اس فن سے روشنی ملتی رہے۔ اس فر رلکھی گئی کتابوں کو وسیع پیا ر عام کیا جائے۔ اس کو شائع کرنے کا معقول انتظام کیا جا ما کہ اہل علم، علماء اور طلبہ اس سے یکسر مستفید ہو سکیں۔

یہاں ک امر توجہ طلب یہ ہے کہ علماء گجرات جو اپنی ما گوں خصوصیات کی وجہ سے دوسر ماسب کے علماء سے ری حد ک ممتاز رہے اور ان کی بعض حدمات تو ا مایہ کی ہیں کہ معاصر علماء سے بہت آگے نکل چکے ہیں اس فن رو رقی میں بھی اہم رول نبھا ماریخ کا حصہ بن سکے ہیں۔

مجھے امید واثق ہے کہ اس سمینار کے ما چیز کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس طرف توجہ دی جائیگی۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِیْم

رمضان المبارک
نیکیوں اور رحمتوں کا موسم بہار

اداره

شهر رمضان الذی انزل فیه القران هدی للناس و بیت من الهدیٰ والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر یریدالله بکم الیسرو لا یرید بکم العسر ولتکملوا العدةو لتکبروا الله علی ما هدکم ولعلکم تشکرون ارہ۲،سورۃ البقرہ،آ ۱۸۵)

(مہینہ رمضان کا ہے جس ازل ہوا قرآن ہدا ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن انے کی اور حق اطل سے جدا کرنے کی، سو جو کو ائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو ا مسافر تو اس کی گنتی پوری کرنی چاہئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے آسانی اور نہیں چاہتا ردشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی ا رائی کرو اللہ کی ا ا ر کہ تم کو ہدا کی ا کہ احسان مانو (معارف القرآن)

”یاایهاالذین امنو اکتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون“ ارہ۲،سورۃ البقرہ،آ ۱۸۳)

(اے ایمان والو! رروزے فرض کئے گئے جیسے اگلوا رفرض ہوئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی)

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رمضان "رمض" سے ماخوذ ہے اور رمض کا معنٰی " ا" ہے۔ چونکہ یہ مہینہ مسلمانوں کے کناہوں کو جلا دیتا ہے اس لئے اس ام رمضان رکھ کیا ہے۔ ا اس لئے ام رکھا کیا ہے کہ یہ "رمض" سے مشتق ہے جس کا معنٰی " کرم زمین ۔ اؤں جلنا" ہے۔ چونکہ ماہِ صیّام بھی نفس کے جلنے اور تکلیف کا موح ا ہے لہٰذا اس ام رمضان رکھ کیا ہے۔ ار رمضان کرم پتھر کو کہتے ہیں جس سے چلنے والوں کے اؤں جلتے ہیں۔ ح اس مہینہ ام رکھ کیا تھا اس وقت بھی موسم سخت کرم تھا۔ ک قول یہ بھی ہے کہ رمض کے مع رس ارش، چونکہ رمضان بدن کے ک ا لکل دھوڈالتا ہے اور دلوں کو اس طر اک کر دیتا ہے جیسے ارش سے چیزیں دھل اک وصاف ہوجاتی ہیں۔

فضائل رمضان المبارک احادیث کی روشنی میں

”ان الجنته تز حرف لرمضان من راس الحول حول قابل فاذا کان اول یوم من رمضان هبت ریح تحت العرش من ورق الجنة علی الحور العین فیقلن یا رب اجعل لنا من عبادك ازواجا تقربهم اعیننا و تقراعینهم بنا“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوۃ ص ۱۸۳)

(بے شک ح ابتدائے سال سے آئندہ سال تک رمضان شریف کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ ا ح پہلا دن ا ہے تو ح کے پتوں سے عرش کے نیچے ہوا سفید ا ری آنکھوں والی حوروا رچلتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ ا۔ رورد گار

اپنے بندوں سے ہمارے لئے ان کو شوہر بنا جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اوران کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں)

''رمضان المبارک کی ہر رات میں یک منادی آسمان سے طلوعِ صبح تک ندا یا رہتا ہے کہ اے خیر کے طلب گار تمام کرا و بشارت حاصل کر اور ا برائی کے چاہنے والے رک جا اور عبرت حاصل کر۔ کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اس کی بخشش کی جائے۔ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کیا کوئی سوالی ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ برر گ و بر رمضان شریف کی ہر رات میں افطاری کے وقت ساٹھ ہزار گناہ گار دوزخ سے آزاد فر ما ہے جب عید کا دن ہو تا ہے تو اتنے لوگوں کو آزاد فر ماتا ہے کہ جتنے تمام مہینہ میں آزاد فر ما ہے۔ تیس مرتبہ ساٹھ ساٹھ ہزار، یعنی اٹھارہ لاکھ'

"یغفرلا متی فی اخر لیلة فی رمضان قیل یا رسول الله لیلة القدر قال لا ولکن العامل انما یوفی اجره، اذا قضیٰ عمله۔ رواه احمد (مشکوٰہ ص۱۸۶)"

(رمضا ن ما ک کی آخری رات میں میری امت کی بخشش کی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ شب قدر ہے۔ فرمایا نہیں لیکن کام کرنے والے کو اجر پورا دیا جا تا ہے۔ جب کہ وہ اپنا کام ختم کر تا ہے)

''تم لوگ منبر کے پاس حاضر ہو۔ پس ہم منبر کے پاس حاضر ہوئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین"۔ جب دوسرے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین" اور جب تیسرے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین" جب منبر شریف سے اترے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی کہ کبھی نہ سنے تھے۔ فرمایا بے شک حضرت جبرئیل نے آکر عرض کی کہ'' بے شک وہ شخص دور ہو (رحمت سے یا ہلاک ہو) جس نے رمضان شریف پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی'' میں نے کہا ''آمین"۔ جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: "وہ شخص دور ہو جس کے پاس آپ کا ذکر ہوا اور وہ درود شریف نہ پڑھے "میں نے کہا" آمین" جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ "دور ہو وہ شخص جو اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع پائے پھر بھی گناہی کے نتیجے میں جنت میں داخل نہ ہو سکے "میں نے کہا" آمین۔

فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا کہ "آدم کے بیٹے کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے یک نیکی سے دس گنا سے سات سو تک۔ اللہ تعالی نے فرمایا" مگر روزہ کہ اس کا ثواب بے شمار ہے، بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔" روزہ دار اپنی خواہش اور طعام میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ یک خوشی افطار کے وقت۔ اور یک خوشی دیدارِ الٰہی کے وقت۔ اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور روزے ڈھال ہیں۔"

"ادا دخل رمضان فتحت ابواب الحنان و علقت ابواب الجهنم و سلسلة الشيا طين" (بخاری)

(جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں)

رمضان کے حروف اوران کی برکتیں:

رمضان کے پانچ حروف ہیں

''ر"رضوان اللہ (اللہ کی خوشنودی) ہے۔

"م"محاب اللہ کی ہے (اللہ کی محبت)۔

"ض"ضمان اللہ کا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری)

"الف" الفت کا ہے اور

"ن" سے مراد نور اور نوال ہے (مانی اور بخشش)

سحری کھانے میں برکت ہے:

مسلمانوں کو چاہئے کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت اٹھیں اور حسب ضرورت کھانا تیار کر کے کھائیں۔ اگرچہ ایک دو لقمے ہی ہوں یا کھجور کے چند دانے کھالے۔ کیونکہ یہ کھانا باعث برکت ہے۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''نیز سحری کے وقت اٹھنا اور کھانا اسلام کا شعار ہے۔ اہل کتاب اس سعادت سے محروم ہیں۔ ہم اہل اسلام اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا کھانا ہے''

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہئے:

یوں تو روزہ ہر حلال چیز سے افطار کیا جا سکتا ہے مگر طاق کھجوروں سے روزہ افطار کرنا بہت ثواب کا باعث ہے اگر کھجوریں وقت پر نہ مل سکیں تو پانی سے روزہ کھولنا چاہئے۔ سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو چاہئے کہ کھجوروں سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجوریں نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔

نماز تراویح:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ماہ رمضان کی وسط رات میں ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ دوسری رات آدمیوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ مسجد تنگ ہوگئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے، صبح کو فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، فجر کی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے خطاب فرمایا: "تمہاری رات کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن اندیشہ یہ تھا کہ نمازِ تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔

" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان کی راتوں کو قیام کرنے (نماز پڑھنے) کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپؐ ان پر لزوم کے ساتھ حکم فرمائیں (یعنی وجوبی حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیتے تھے) آپؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور عہد فاروقی رضی اللہ تعالی عنہ کے ابتدائی دور میں تراویح کا معاملہ یوں ہی رہا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ سے تراویح کی نماز کی حدیث جب سنی تو آپ نے اس پر عمل فرمایا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین وہ حدیث کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عرشِ الٰہی کے ارد گرد ایک جگہ جس کا نام "حظیرۃ القدس" ہے وہ نور کی جگہ ہے اس میں اتنے فرشتے جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اس میں ایک لمحہ کی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جب ماہ رمضان کی راتیں آتی ہیں تو یہ اپنے رب سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور وہ بنی آدم کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس نے ان کو مَس کیا یا انہوں نے کسی کو مَس کیا تو وہ ایسا نیک بخت وسعید بن جاتا ہے کہ پھر کبھی بد بخت وشقی نہیں بنتا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا جب کہ اس (نماز) کی یہ شان ہے تو ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر آپ (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ) نے تراویح کی جماعت قائم کر کے اس کو سنت قرار دے دیا۔

❁ ❁ ❁

احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے، جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت:

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

روزہ کے لیے نیت شرط ہے اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کر سکتا ہے، بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہے (۷) بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی (۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے، روزہ افطار کر لیا۔

تنبیہ: ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بی بی سے صحبت کرنا یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے۔ آج کل شرعی غلام باندی کہیں نہیں ملتے، اس لیے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے:

(۱) بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہے۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

(۳) فصد کرانا، کسی مریض کے لیے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

(۴) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے، روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) روزہ میں ما ، گالی دینا خواہ انسان کو یا کسی بے جان چیز یا مدار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!

(۱) مسواک کرنا (۲) مونچھوں پر تیل لگانا (۳) آنکھوں میں دوا یا سرمہ ڈالنا (۴) خوشبو سونگھنا (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگانا (۷) بھول کر کھانا پینا (۸) حلق میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا (۱۰) خود بخود قے آنا (۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا (۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا (۱۳) رات کو خواب یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ایک گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔

(۷) کسی بیمار یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز ، بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لیے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض و نفاس والی عورت جن کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی عذر سے روزہ قضا ہوا ہو تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو حرراتِ میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری ما مسنون ا ماعث کت وثواب ہے۔ نصف سب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سب ادا ہو جائے گی لیکن مالکل حر سب میں ما افضل ہے۔ کر موذّن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں حب تک صبح صادق نہ ہو جائے۔ سحری سے فارغ ہو کر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے او مان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے بِصَومِ غَدٍ نَّوَیتُ مِن شَھرِ رَمَضَانَ۔

اِفطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں مکروہ ہے، ہاں حب ر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہرحال ما چاہیے۔

کھجور احر ما سے افطا ما افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے: اَللّٰھُمَّ لَكَ صُمتُ وَعَلی رِزقِكَ اَفطَرتُ اور افطار کے بعد یہ د رھے: ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابتَلَّتِ العُرُوقُ وَثَبَتَ الاَجرُ اِن شَآءَ اللّٰہ۔

تراویح

(۱) رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سب کے بعد بیس رکعت سب مؤکدہ ہے۔

(۲) راویح کی جماعت سب علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں اپنی راویح رھ لے تو سب ادا ہوگئی کر چہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا او کر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب رک سب کے گنہگار رہوں گے۔

(۳) راویح میں پورا قرآن مجید ختم ما بھی سب ہے۔ کسی جگہ حافظِ قرآن سنانے والا نہ ما ملے مگر سنا ر حرت ومعاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نم راویح ادا کریں حرت دے کر قرآن نہ سنیں کیوں کہ قرآن سنا ر حرت لینا اور دینا حرام ہے۔

(۴) کر کت حافظ کت مسجد میں بیس رکعت رھ چکا ہے، اس کو دوسری مسجد میں اسی رات راویح رھنا درست نہیں۔

(۵) جس شخص کی دو چار رکعت راویح کی رہ گئی ہو تو حب امام ر کی جماعت کرائے اس کو بھی جماعت میں شامل ما چاہیے، ا باقی راویح بعد میں پوری کرے۔

(۶) قرآن کو اس قدر جلد رھنا کہ حروف کٹ جائیں ر کناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا، نہ مقتدی کو۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے نابالغ راویح میں امام ما رنہیں۔

اعتکاف

(۱) اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکیں (جیسے پیشاب ماخانہ کی ضرورت ما غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد ماہر نہ جائے۔

(۲) رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف ما سب مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی رے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے رکِ سب مال رہتا ہے اور کوئی کت بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سب ادا ہو جاتی ہے۔

(۳) مالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے البتہ نیک کلام ما اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں

سے بچنا چاہیے۔

(۴) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاو، یا دین کی کتابوں پڑھے پڑھائے یا جو عبادت دل چاہے یا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لیے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے، اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، تب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

(۶) اگر بلا ضرورت طبعی شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، خواہ عمداً جائے یا بھول کر۔ اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیے۔

(۷) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیسویں تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۸) غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لیے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو درست نہیں۔

شب قدر

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کو پوشیدہ رکھا تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں سب اور ۲۷ ویں سب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ و استغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔

اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہو جاتا ہے، ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کر کے سو جانا بڑی محرومی ہے، تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں، وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو درست ہے۔

ترکیب نمازِ عید

اول نیت کرنا یا دل سے نیت کریں کہ دو رکعت نمازِ عید واجب مع چھ زائد تکبیروں کے پیچھے اس امام کے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سُبحَانَكَ اللّٰهم پڑھیں پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی میں باندھ لیں اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں پڑھیں۔ دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جاؤ باقی نماز حسب دستور تمام کرو۔ خطبہ سُن کر واپس جاؤ۔

مسائل زکوٰۃ

مسئلہ اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو۔ یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامانِ

تجارت کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (درمختار و شامی)

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے، زیور برتن حتی کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔

مسئلہ: کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں (ہدایہ)

مسئلہ: ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کرکے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کرکے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ: پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہوجاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار و شامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ (۴۰---۱) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا ۴۰---۱ دے۔ اگر قیمت دے تو یہ بھی درست ہے مگر قیمت بدلتی رہتی ہے تو جس دن زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا ۴۰---۱ دینا ہوگا (درمختار، ج:۲)

مسئلہ: ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ ج۱)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحقِ زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

❁ ❁ ❁

بیس رکعات تراویح

م   نا محمد شفیع قاسمی

جمہورامت۔ ردیک سنت

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کا معمو   ماقی دنوں کے مقابلے میں مختلف   ماتھا۔تلاوت،صدقات،اعتکاف اوردعاؤں کااہتمام فرماتے،رات بھر نماز پڑھا کرتے،صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ نمازوں میں مشغول رہتے۔بعض صحابہ تنہانمز   رھتے اوربعض صحابہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں نمز   رھا کرتے۔کبھی کبھی آپ کے پیچھے بھی نمز   رھنے لگتے،حب آپ کومعلوم   ماتو آپ منع فرماتے اورقیام رمضان   راویح) کے فرض ہونے کا خدشہ ظاہر فرماتے۔

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ اورصحابہ کا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ نمز   رھنا۔

(۱) حضرت ید   ماب رضی اللہ عنہ سے رواب ہے کہ رسول اللہؐ نے رمضان المبارک میں چٹائی کا ک حجر   ما اوراس میں چندراتیں نمز   رھی،تو کچھ صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے نمز   رھی،حب آپ کومعلوم ہوا،تو آپ (ک رات) بیٹھ رہے،پھرارشاد   ما:تمہارااس طرح   ماجھے معلوم ہوا،اے لوگو!اپنے اپنے گھروں میں نمز   رھو،اس لیے کہ فرض نمازوں کے علا   ماقی نماز گھر میں افضل ہے‘‘(صحیح بخاری،وصحیح مسلم)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ ا ک رات اپنے کمرہ میں نمز   رھ رہے تھے اور کمرہ کی دیوار چھوٹی تھی،تو لوگوں نے رسول اللہؐ کو دیکھ لیا اور آپ کے پیچھے نمز   رھنے لگے،حب صبح ہوئی تو اس ذکرچا ہوا۔دوسری رات بھی اسی طرح لوگ نمز   رھنے لگے۔اس طرح   ماتین رات ہوا۔اس کے بعدرسول اللہؐ نے وہاں نماز نہیں   رھی۔حب صبح اس مذکرہ ہوا تو آپؐ نے ارشاد   ما:مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز   رفرض نہ کردی جائے‘‘(صحیح بخاری)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ رمضان المبارک میں ک رات نمز   رھ رہے تھے،میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا،پھر دوسراشخص بھی کھڑا ہوا،اس طرح بہت لوگ ہوگئے،آپؐ کو حب معلوم ہوا تو آپؐ جلدی سے نماز ختم کر کے مدر جا کر نما رھی حب صبح ہوئی تو ہم نے عرض کیا ما رسول اللہؐ کیا رات میں ہمارا نما رھنا آپ کو معلوم ہوا؟ آپؐ نے ارشاد   ما:ہاں،اسی وجہ سے میں مد کیا۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان المبارک کی راتوں میں صحابہ کرام مسجد نبوی میں الگ الگ   ماچھوٹی چھوٹی جماعتوں میں   راو رھا کرتے تھے۔جس کو جتنا بھی قرآ ماد ما ما ما مااس   ماکم لوگوں   راو ر ماکرتے۔(مسند احمد)

رسول اللہ کا عام جماعت کے سا راو ر ما:

رمضان المبارک میں عبادت کی کثرت اور رات کی نمازوں کا ذکر احادب میں ہے کہ رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ تنہا ما چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے سا راو رھا کرتے تھے۔کبھی کبھی عام جماعت کے ساتھ راو رھاتے۔بعض   مات میں

۲۱،۲۲،۲۳،۲۴ چار راتوں میں تراوت پڑھانا مذکورہے اور بعض روایات میں ۲۳،۲۵،۲۷ تین راتوں میں تراوت پڑھانا مذکورہے اور بعض روایات میں دو تین راتیں تراوت پڑھانا مذکورہے،اس لیے محدثین کا خیال ہے کہ عام جماعت کے ساتھ تراویح ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف رمضان میں پڑھی گئی۔واللہ اعلم

(۱): حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ۲۱ویں (رمضان) کی رات کوگھر والوں کوجمع فرما کر ایک تہائی رات تک تراوت پڑھائی، پھر۲۲ویں رات کوآدھی رات تک تراوت پڑھائی، پھر۲۳ویں رات کودوتہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر۲۴ویں رات کوسب کوغسل کرنے کاحکم دیا اور پوری رات تراوت پڑھائی، پھراس کے بعدنہیں پڑھائی۔

(۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسول اللہؐ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ بائیس(۲۲) رمضان المبارک کی عصر کی نماز کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ آج عشاء کے بعد تراوت پڑھی جائیگی،جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراویح پڑھے۔اور یہ۲۳ویں رات تھی،آپ نے عشاکے بعدتہائی رات تک تراوت پڑھائی، پھر۲۴ویں رات تراویح نہیں پڑھائی،اور اعلان بھی نہیں ہوا، پھر۲۴ویں رمضان کےعصر کے بعدآپؐ نے اعلان فرمایا،آج عشاء کے بعد تراوت پڑھی جائیگی،جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراوت پڑھے،آپؐ نے عشاء کے بعدنصف رات تک تراوت پڑھائی، پھر۲۶ویں رات تراویح بھی نہیں پڑھائی،اوراعلان بھی نہیں ہوا، پھر۲۶ویں رمضان کےعصر کے بعدآپؐ نے اعلان فرمایا کہ: آج عشاء کے بعد تراوت پڑھی جائیگی،جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراوت پڑھے،۲۷ویں رات عورتوں کوبھی جمع فرمایا اور پوری رات تراوت پڑھائی کہ ہم کوفلاح (سحری کاوقت ختم ہونے) کی فکرہونے لگی۔راوی نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ''فلاح'' کیا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ:''سحری''۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:۲۵ویں رات کوآدھی رات تک تراوت پڑھائی توہم نے عرض کیا: یارسول اللہؐ!پوری رات تراوت پڑھاتے تواچھا تھا۔آپؐ نے ارشادفرمایا: جوشخص امام کے ساتھ پوری تراوت پڑھے،اس کے لیے پوری رات تراوت پڑھنے کاثواب لکھا جاتا ہے۔

(۳) حضرت نعیم بن زیادفرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کومسرحمص پرکھڑے ہوکرفرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ(صحابہ کرام)رمضان المبارک کی۲۳ویں رات کو رسول اللہؐ کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد ایک تہائی رات تک تراوت پڑھی، پھر۲۵ویں رات کوآدھی رات تک تراوت پڑھی، پھر۲۷ویں رات کواتنی رات تک تراوت پڑھی کہ ہم کوگمان ہوا کہ ہم کوسحری کاوقت نہیں ملے گا۔

(۴) رسول اللہؐ کی شریک حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ ایک رات مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے،تو آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز پڑھنے لگے،دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا،تیسری یا چوتھی رات جب لوگ بہت جمع ہوگئے تو آپؐ اس رات باہرتشریف نہیں لے گئے،جب صبح ہوئی تو آپؐ نے ارشادفرمایا:''تمہاراجمع ہونا مجھے معلوم تھا،میں اس لیے نہیں آیا،مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پرفرض کردی جائے گی''۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا تھا۔

(۵) ابن شہاب (امام زہری) رواىت کرتے ہیں کہ مجھ سے عروہ نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ىا کہ ىک ىا ىر رات رسول اللہؐ اپنے حجرہ سے نکلے اور مسجد میں نماز ىرھی، اور آپ کے ساتھ کچھ صحابہ نے بھی نماز ىرھی، جب صبح ہوئی تو اس واقعہ کا چرچا ہوا تو دوسری رات لوگ ىادہ جمع ہوئے، تو صحابہ نے آپ کے ساتھ نماز ىرھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا ا ىادہ چرچا ہوا، تو تیسری رات او ىادہ لوگ جمع ہوئے، آپ ىاہر تشریف لائے اور نماز ىرھائی۔ چوتھی رات مسجد لوگوں سے بھر گئی تو آپ تشریف نہیں لائے؛ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ آپ صبح کی نماز میں تشریف لائے، سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد ىا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خدشہ ہوا کہ یہ نماز ىراوىح ىر فرض کردی جائے اور تم کرنہ سکو، پھر رسول اللہؐ کی وفات تک اسی طرح ىراوىح (انفرادی اور چھوٹی جماعتوں کے ساتھ ىرھی گئی۔

ان احادىث میں رسول اللہﷺ کا رمضان المبارک میں انفرادی او ىاجماعت ىراوىح ىرھنا معلوم ىاہے ىراوىح روزہ کے ساتھ ۲ھ میں مشروع ہوئی۔ اس حساب سے رسول اللہﷺ نے ۹ سال ىراوىح ىرھی ہے۔ کبھی انفرادا ىرھی، کبھی چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ ىرھی، کبھی عام جماعت کے ساتھ، لیکن کتنی رکعتیں ىراوىح ىرھی ان ىات میں اسکا ذکر نہیں ہے، البتہ صحابہ ىابعین کا عمل بیس رکعات ىراوىح ىرھنے کا ہے، اس لیے جمہور علماء امت نے بیس رکعات ىراوىح ہی کو سنت قرار ىا ہے۔ ذیل میں چند ىات نقل کی جارہی ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ صحابہ ىابعین کا عمل بیس (۲۰) رکعات ىراوىح کا ہے۔

(۱) حضرت ابوالعالیہ ىابعی م۹۰ھ) رواىت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے ىا کہ امیر المومنین حضرت ىا عمر بن خطابؓ نے مجھے رمضان المبارک میں لوگوں کو ىراوىح ىرھانے کا حکم دیتے ہوئے ىا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر قرآن ىادنہ ہونے کی وجہ سے ىراوىح نہیں ىرھ سکتے، اس لیے تم ان لوگوں کو رات میں ىراوىح ىرھاؤ، حضرت ابی بن کعبؓ نے ىا ىا امیر المومنین! یہ ایسی چیز کا حکم ہے جس ىر ابھی تک عمل نہیں ہے (یعنی ىاجماعت ىراوىح) حضرت عمرؓ نے ارشاد ىا: میں جانتا ہوں، لیکن یہی بہتر ہے، تو انہوں (حضرت ابی بن کعبؓ) نے بیس (۲۰) رکعات ىراوىح ىرھائی۔

(۲) : حضرت عبد الع ىر بن رفیع ىابعی، م۱۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات ىراوىح اور تین (۳) رکعات ىر مدینہ منورہ میں ىرھاتے تھے۔

(۳) حضرت ساىبؓ بن ىد (صحابی، م۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں صحابہ ىابعین بیس (۲۰) رکعات ىراوىح ىرھتے تھے، اور وہ سو اور سو سے ىادہ آیتوں والی سورتیں ىرھا کرتے تھے۔

(۴) حضرت حسن بصریؒ ىابعی ۲۱ ىا ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ ىابعین رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات ىراوىح ىرھتے تھے اور آخیر عشرہ میں ىک ىرویحہ یعنی چار رکعات کا اضافہ فرماتے تھے۔

(۵) حضرت ىراہیم نخعیؒ ىابعی، ۵۰ ىا ۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ ىابعین) رمضان المبارک میں بیس

(۲۰)رکعا تراو ر ھتے تھے۔

(۶) حضرت عطاء ابن اَبی ا ر ؒ   ا بعی،م۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں صحا   ا بعین بیس (۲۰) رکعا تراویح اور تین(۳) رکعا   ر ھتے تھے۔

(۷) :حضرت یونس بن عبیدٗ ا بعی،م۱۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ واقعہ ابن اشعث (۱۶ھ) سے پہلے میں نے دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ ،اورسعید بن ابوالحسن اور مروان عبدی رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح ر ا کرتے تھے اورنصف رمضان سے دعاءقنو   ر ھا کرتے تھے،اوردومرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

بعض لوگ بیس(۲۰) رکعا تراویح کے سب ہونے،اوراس ر اجماع کا انکار کرتے ہیں،اورتہجد ا ب کی احادس اور عبارتوں سے آٹھ رکعا تراو ر استدلال کرتے ہیں۔خودبھی دھوکہ میں رہتے ہیں،اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈالتے ہیں، حس کہ جمہورصحا   ا بعین،   ا بعین، مجتہدین امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی،امام احمد بن حنبل،امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک ، امام داوٗدظاہری، ودیگر فقہاء ومحدثین ا   رمذی،امام بیہقی،علامہ ابن عبدالبر مالکی،امام غزالی، علامہ کاسانی، علامہ ابن رشد قرطبی مالکی، علامہ ابن قدامہ حنبلی، علامہ رافعی،علامہ ابواسحاق شیرازی،علامہ نووی،علامہ سبکی،علامہ ابن تیمیہ،علامہ ابن الملقن،علامہ زین الدین عراقی،علامہ عینی، علامہ ابن حجرعسقلانی، علامہ ز ا انصاری، علامہ رملی،علامہ خطیب شربینی،علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہم اللہ وغیرھم بیس(۲۰) تراویح کے قائل ہیں، بلکہ بیس(۲۰) رکعا   رعمل پیراء ہیں۔

بیس رکعا   رصحابہ وعلماء کے اتفاق کے بعد آٹھ رکعا تراو راصرا ا صحیح نہیں ہے

مسلمانوں کا ک ا ساطبقہ آٹھ(۸) رکعات تراو راصرار کرتے ہوئے بیس(۲۰) رکعا تراویح کا انکار ا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ک کیارہ رکعات والی رواس اور حضرت   ر ؓکی آٹھ رکعات والی حدس ہی کو دلیل مانتا ہے جوکسی طرح صحیح نہیں ہے،اس لیے کہ

(الف) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رواس میں رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات ا   رنس ے ر ھنے کا ذکر ہے چار،چاراورتین۔اور دوسری صحیح حدس میں دس اور ک رکعا ر ھنے کا ذکر ہے،اور ک صحیح حدس میں آٹھ رکعات ا ا نچ رکعات ک سلام کے ساتھ جملہ تیرہ (۱۳)رکعا   ر ھنے کا ذکر ہے۔ اور ک صحیح حدس میں نو(۹)رکعات ک سلام کے سات ر ھنے کا ذکر ہے۔حضرت عائشہؓ کی رواس کردہ یہ تمام حدیثیں ک دوسرے سے رکعات ا رنس میں معارض ہیں۔ ک رواس رعمل کرنے سے دوسری حدیثو   ر ک لازم آئے گا،لہٰذاان حدیثوں کی توجیہ ا ویل کرنی ضروری ہوگی۔علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے مروی ا ت بھی حضرت عائشہ کی اس رواس   رنس اور رکعات میں مختلف ہیں،جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی صحیح رواس میں دو رکعات چھ مرتبہ ج ا رہ (۱۲)رکعات ڑھ   ر ھنے کا ذکر ہے۔اور ک مرسل حدس میں سترہ(۱۷)رکعا   ر ھنا مذکور ہے۔(مصنف عبدالرزاقؒ) لہٰذا حضرت عائشہؓ کی صرف ک ہی رواس   تراویح ک کیارہ رکعا   راصرا ا ا ا قی حدیثو   ر ک ا صحیح نہ ہوگا۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رواس میں

اتنام قبل ان توتر کے الفاظ ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ آپ سو کر اٹھنے کے بعد نماز ادا فرماتے تھے، اور دوسری حدیثوں سے معلوم ما ہے کہ رسول اللہ رمضان کی راتوں میں سوتے نہیں تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''پورا رمضان بستر کے قرس نہیں آتے تھے'' نیز حضرت ابوذرؓ کی حدس میں پوری رار براوۃ بر ماس ہے، لہٰذا اس حدس براوۃ برمحمول ماصحیح نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ کی رواس۔ ماس ما ہے کہ آپ نے کمرہ میں نماز ادا فرما کر آرام ا ما، حب براوتح کی احادس میں اکثر مسجد میں نم برھنے کا ذکر ملتا ہے، لہٰذ کیارہ (۱۱) رکعات کی اس حدس براوتح سے: ما، اور بیس (۲۰) رکعات کی نفی میں اس حدس کو پیش ماکسی طرح صحیح نہیں ہے۔

(۴) حضرت عائشہ کی کیارہ (۱۱) رکعات کی رواس کے اخیر میں "...قبل ان توتر" (کیا وتر برھے بغیر آپ سو گئے تھے؟) کے الفاظ قابلِ غور ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ نما برہو، اس لیے کہ حضرت عائشہ کی دوسری حدس (صحیح مسلم) میں نو (۹) رکعات برھ کر دو رکعات جم کیا برھنے کا ذکر ہے۔

(ب) حضرت برکی حدس میں رسول اللہؐ کا آٹھ رکعار برھانے کا ذکر ہے، لیکن اس حدس سے بیس رکعات کی نفی براستدلال ماصحیح نہیں ہے، اس لیے کہ (۱) اس حدس کی س برمحدثین نے کلام کیا ہے۔(۲) یہ رواس حضرت برؓ کی ںک اور حدس کے معارض ہے جس میں چوبیس (۲۴) رکعات اور تین رکعات ، برھنے کا ذکر ہے۔(۳) حضرت برکی حدس میں صرف ںک رات کا ذکر ہے، بقیہ راتوں کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس حدس سے بیس رکعات کی نفی ماصحیح نہیں ہے۔(۴) اس حدس کے اخیر میں "...ان یکتب علیکم الوتر" کے الفاظ ہیں۔اس سے احتمال پید ما ہے کہ یہ نماز برہو۔آپؐ پہلے کچھ رکعتیں برھی ہوں، جیسا کہ دوسری حدیثوں میں آپ کا نم برھ کر س ما چ بر ماس ہے۔ نیز آپ کا انفراد براوتر برھنا اور صحابہ کرامؓ کا آپ کو نماز برھتے دیکھ کر آپ کے ساتھ شریک ما دوسری حدیثوں سے ماس ہے۔ہوسکتا ہے کہ حضرت برؓ اخیر میں شریک ہوں۔واللہ ا مالصواب۔امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ نے اس حدس بر ماب میں نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے رسول اللہؐ کا رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات براوتح اور تین رکعات ، برھنا مروی ہے۔(گرچہ اس حدس کے ںک راوی ابوشیبہ براہیم بن عثمان برکلام کیا ہے، مگر ان کی بات کو بہت سے محدثین نے نقل فرما کر سکوت اختیار کیا ہے۔ اور اس کی متن ما ئید میں دوسری بات اور عملِ صحابہ بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ضعیف کہنا صحیح نہ ہوگا۔) ا ماریخ جرجان و مخطوطات شیخ ابوطاہر اصبہانی میں حضرت برؓ سے رسول اللہؐ کا رمضان المبارک میں چوبیس (۲۴) رکعات اور تین رکعات ، بر ما منقول ہے اور صحا ما بعین کا عمل بھی بیس (۲۰) رکعار براوتح کا ہے، لہٰذا صحا ما بعین اور اکثر علماء امت کے بیس (۲۰) رکعات براوتر بر اتفاق کے بعد آٹھ (۸) رکعار براوتر براصرار ما اور حدس صحیح و حدیثِ ضعیف کی بحث کرتے ہوئے بیس رکعات کا انکار ماحق اور اجماع سے انحراف ماعث ہوگا۔

❀ ❀ ❀

رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کے تقاضے

پیشکش: مظفرحسین رحمانی

رمضان المبارک قمری مہینوں میں سے نواں مہینہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کی اپنی طرف خاص نسبت فرمائی ہے، حدیث مبارک میں ہے کہ ''رمضان شہراللہ'' رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مبارک مہینے سے رب ذوالجلال کا خصوصی تعلق ہے جس کی وجہ سے یہ مبارک مہینہ دوسرے مہینوں سے ممتاز او جدا ہے۔ اس ماہ سے خصوصی تعلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاصہ اس مبارک ماہ میں اس د ازل ہوتی ہیں ا موسلادھ ارش کی طر برستی رہتی ہیں۔ حد ا ک میں ہے کہ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اول حصہ میں حق تعالیٰ کی رحمت برستی ہے جس کی وجہ سے انوار و اسرار کے ظاہر ہونے کی قابلیت و استعداد پیدا ہوکر گناہوں کے ظلمات اور معصیت کی کثافتوں سے نکلنا میسر ا ہے اور اس مبارک ماہ کا درمیانی حصہ گناہوں کی مغفرت کا سب ہے اور اس ماہ کے آخری حصہ میں دوزخ کی آگ سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان کی حب پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین کو بند ا ا ہے اور مضبوط ا ا ہے اور سرکش جنوں کو بھی بند ا ا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اس کا کوئی بھی دروازہ نہیں کھولا ا اور بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی بھی دروازہ بند نہیں کیا ا اور ک آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے نیکی کے طالب آ ے بڑھ کہ نیکی کا وقت ہے اور ا دی کے چاہنے وا دی سے رک جا اور اپنے نفس ک گناہوں ا از رکھ کیونکہ یہ وقت گناہوں سے توبہ کرنے کا اور ان کو چھوڑنے کا ہے او خدا تعالیٰ کے لیے ہے اور بہت سے بندوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں دوزخ کی آگ سے اور یہ آزا ا رمضان شریف کی ہر رات میں ہے، سب قدر کے ساتھ مخصوص نہیں۔

روزہ وہ عظیم فریضہ ہے جس کو رب ذوالجلال نے اپنی طرف منسوب ا ہے اور قیامت کے دن رب تعالیٰ اس دلہ او حر بغیر کسی واسطہ ے دات خود روزہ دار کو عنایت فرمائیں گے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے ''روزہ میرا ہے اور میں ہی اس دلہ دوں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ک اور ارشا گرامی ہے، ا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ ے ردیک مشک کی بو سے ادہ پسندیدہ ہے ا روزہ دار اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو ا ہے کہ اس کی خلوف (منہ کی بو) بھی اللہ تعالیٰ کو پسند اور خوشگوار ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد ما کہ حس کو شروع سال سے حرسال تک رمضان المبارک کی خاطر آراستہ کیا ما ہے اور خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے پس حس رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے تک ہوا چلتی ہے جس مام مشیرہ ہے جس کے جھونکوں کی وجہ سے حس کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی سریلی آواز نکلی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر حس کے بالا خانوں میں کھڑی ہوکر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں پھر وہی حوریں حس کے داروغہ سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں: ''اے خوب صورت اور خوب سیرت عورتو! یہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے اور حق تعالیٰ شانہ رضوان (حس کے داروغہ) سے فرماتے ہیں کہ حس کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لیے کھول دو اور جہنم کے داروغہ سے فرماتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دو اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کا روزہ خراب نہ کریں۔

رمضان کے اس مبارک ماہ کی ان تمام فضیلتوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس مہینہ میں عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے اور کوئی لمحہ ضائع اور بے کار جانے نہیں دینا چاہیے سب و روز کے اوقات کو صالح اعمال کے ساتھ مزین اور معمور رکھنے کی سعی اور کوشش میں مصروف رہنا چاہیے اور دوسرے مہینوں کی دائمی عبادت کے ساتھ بعض دوسری عبادات کو اس ماہ مبارک میں مقرر کرنے سے شریعت کی یہی غرض معلوم ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک کا ہر لمحہ اور گھڑی عبادت ریاضت میں بسر کر رے، لیکن حاجت بشریہ میں گھرے ہوئے انسان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنے کاروبار اور بشری کے تقاضوں سے علیحدہ ہوکر ہمہ وقت عبادات میں مشغول ہو جاتا ہے اس لیے انسانوں کے ضعف اور ان کی ضروریات طبعیہ پر نظر فرماتے ہوئے رب تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری فرمائی اور اس ماہ مبارک میں ایک انداز میں عبادت کو فرض کے طور پر متعین فرمایا کہ انسان اس عبادت کے ساتھ اپنی تمام ضروریات و حوائج میں بھی مصروف رہ سکتا ہے اور عین اسی خاص طریقہ عبادت میں بھی مشغول ہوسکتا ہے۔ ایسی خاص طریقہ کی عبادت کو روزہ کہا جاتا ہے جسے اس ماہ میں فرض فرمایا گیا ہے روزہ ایک عجیب عبادت ہے کہ انسان روزہ رکھ کر اپنے ہر کام کو انجام دے سکتا ہے، روزہ رکھ کر صنعت و حرفت تجارت و زراعت ہر کام بخوبی احسن کرسکتا ہے اور پھر بات یہ کہ ان کاموں میں مشغول ہونے کے وقت بھی روزہ کی عبادت روزہ دار سے بے تکلف خود بخود صادر ہوتی رہتی ہے اور اس کو عبادت میں مشغولی کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہِ مبارک کی صحیح قدر کرنے والا بندہ بنا دے، آمین۔

❁ ❁ ❁

❁

عیدالفطر
باہمی اخوت ومحبت کا تہوار

● ولی الدین ندوی

عیدالفطر مسلمانوں کا سب سے بڑا ملی تہوار ہے۔ عید عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی اس خوشی ومسرت کے ہیں جو لوٹ کر بار بار آئے۔ اس تہوار میں امن وسلامتی اور بھائی چارہ ہے نیز فرقہ وارانہ ہم آہنگی، یکجہتی، مساوات اور ہمدردی واتحاد کا بہترین مظاہرہ بھی ہے۔ عیدین میں تین خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بیک وقت قومی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، یعنی جن کی بنیاد انسانیت کے لئے مشترک اہمیت رکھنے والے واقعات و حالات پر ہے۔ دوسرے یہ کہ اسلام چونکہ ایک عالمگیر ایمانی، اصلاحی و اخلاقی دعوت ہے اس لئے اس نے اپنے تہواروں اور عیدین میں صرف خدا پرستی کو ملحوظ رکھا ہے جو انسانیت کی اصل جڑ ہے۔ ان کو مخلوق پرستی اور مشرکانہ توہمات کی ملاوٹ سے پاک کر کے خالص خدا پرستی کا گہوارہ بنا دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ خدا پرستی کے ساتھ اسلام نے اپنے تہواروں میں اخلاق کا بھی ایک بلند نصب العین عطا کیا ہے جہاں لطف وتفریح تہذیب کے ساتھ اور خوشی کا مظاہرہ سنجیدگی کے ساتھ کرنے کی ہدایت ہے۔

عید کی ابتداء:

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۲ رہجری کو عیدالفطر کا تصور پیغمبر اسلام حضرت محمد عربی علیہ السلام نے اپنی امت کو دیا۔ اسی سال رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوا۔ ہجرت کے بعد کفار مکہ سے پہلا مقابلہ جنگ بدر کے نام سے ۱۷ ر رمضان ۲ رہجری ہی کو پیش آیا۔ جنگ بدر میں حضور اقدس علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہر قوم کے لئے خوشی کا دن متعین ہوتا ہے اور ہمارے لئے یہ خوشی کا دن ہے اور آپ اس طرح سے اپنے صحابہ کے ساتھ یکم شوال ۲ رہجری کو مدینہ منورہ سے نصف میل دور ایک کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور عیدالفطر کی نماز ادا فرمائی۔ عیدالفطر کے روز جو سب سے پہلا کام آپ علیہ السلام کیا کرتے وہ صدقہ فطر کی ادائیگی ہوتی تھی۔ یہی وہ اخلاقی دعوت اور مشترکہ تہذیب ہے جو یہاں صدقہ فطر کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے کہ آپ کے پڑوس میں، محلے اور بستی میں آپ ہی کے بچوں کی طرح دل رکھنے والے اور دلوں میں ارمان وشوق رکھنے والے کچھ اور بچے بھی ہیں جن کے ماں باپ یا سردار ماں باپ آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، عید ان کے گھر بھی آئی ہے مگر ان کے چہرے اداس ہیں۔ وہ بے یار و مددگار ہیں آپ ان کی سرپرستی کیجئے، وہ بے آسرا ہیں آپ ان کا آسرا بنئے، آپ کی عید جب ہی مقبول ہوسکتی ہے۔ آپ اگر عید کی حقیقی مسرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے پرتکلف کھانے سے پہلے ان فاقہ کشوں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر ان کی مجبوری کا روزہ کھلوایئے، آپ علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا کہ یتیموں کی غمخواری، مسکینوں کی دستگیری اور دردمندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ صدقہ فطر کی ادائیگی اسی لئے ہر مسلمان عاقل بالغ صاحب استطاعت پر قبل نماز عید واجب ہے۔

بہرحال اطاعت اور شکر گزاری کے جشن کے طور پر مسلمانوں کو عیدالفطر کا دن نصیب ہوا۔ عیدالفطر رمضان المبارک میں پورے ایک مہینے کے روزے رکھنے کے بعد روحانی مسرت اور نفس و شیطان پر غلبہ پانے کی خوشی کا دن ہے۔ حضرت

محمد مصطفیٰ علیہ وسلم نے ا ما کہ حب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتے ہیں اور وہ زمیں پر گلیوں راستوں کے سروا پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسی آواز سے پکارتے ہیں جس کو جنات وانس کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے 'اے محمد علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے بڑے قصور معاف کرنیوالا ہے۔ پھر حب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی مزدوری پوری پوری دی جائے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ان کو رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کرتا ہوں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو خوشی کے اظہار کی اجازت تو دیتا ہے مگر بے قابو ہونے کی اجازت نہیں دیتا، عید منانے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق مسلمانوں کو اس موقع پر نئے کپڑے یا حتی الوسع عمدہ کپڑے پہننے، عطر لگانے، بہتر کھانا کھانے، ایک دوسرے کو مبارک باد دینے، رشتہ داروں اور دوستوں کے یہاں آنے جانے کی اجازت ہے، اس دن دوگانہ نماز ادا کرنے اور فقراء و مساکین کا تعاون کرنے کی بھی ہدایت ہے مگر کسی غیر شرعی کام کرنے کی اس دن بھی اجازت نہیں ہے، نہ خوشی میں ناچنے گانے کی اجازت ہے نہ ڈانس کلبوں میں جانے کی اجازت ہے، نہ شراب پینے کی اجازت ہے، نہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے اور نہ انہیں دیکھنے کی اجازت ہے، نہ بدکاری، فحاشی و بے حیائی کی اجازت ہے، نہ اسراف اور فضول خرچی کی اجازت ہے، غرض ہر وہ عمل جو اسلام میں دیگر دنوں میں جائز نہیں وہ اس دن بھی جائز نہیں ہے۔ عید الفطر کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی چارے کے ساتھ رہیں ان کے درمیان نفرت و کدورت کی خلیج قائم نہ ہوں، اگر پہلے سے ہوں تو عید کے موقع پر ختم ہو جانی چاہئیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اجتماعی طور سے خوشی کا یہ دن فراہم کر کے یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح اس دن مسلمانوں نے آپسی بھائی چارے کا مظاہرہ کیا ہے، کسی اختلاف کو اس دن نہیں چھیڑا، بقیہ دنوں میں بھی اسی بھائی چارے کو قائم رکھیں تاکہ آپسی اتحاد قائم رہے اور ایک اجتماعی طاقت کا مظاہرہ ہو، آج مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا جو سلسلہ جاری ہے اور وہ جن چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور مسلکوں میں تقسیم ہو کر وہ تباہی کا شکار ہو رہے ہیں، عید الفطر ان کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس روز کسی قسم کے امتیاز، نفرت، کدورت کی گنجائش باقی نہیں رہتی اگر کوئی منفی جذبہ دل میں باقی رہ جائے تو پھر عید حقیقتاً عید کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے عید کے دن ہر کسی سے معانقہ و مصافحہ کیجئے تاکہ دل صاف ہو اس سے اخوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

عید کے دن کیا کریں:

چاند دیکھنے کے بعد جو اس رات میں عبادت کرتا ہے اس کا دل کبھی مردہ نہیں ہوتا۔ شریعت کے موافق اپنی آرائش کرنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، عمدہ و صاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، صبح کو بہت سویرے اٹھنا، عیدگاہ میں جلدی جانا، عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا جیسے چھوہارہ، کھجور حلوہ وغیرہ۔ عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا، عید کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا، عیدگاہ میں ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا، پیدل چلنا، راستے میں تکبیر **الله اکبر الله اکبر لاالٰہ الاالله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد** پڑھنا (یہ تکبیر عید الفطر میں آہستہ آواز سے اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے) دوگانہ شکر و احسان ادا کرنے کے بعد خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

❁ ❁ ❁

حفظ قرآن کا اصل مقصد

...... ● یاور رحمن، نئی دھلی

حضرت حارث الاعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں'' میں مسجد میں داخل ہوا تو کچھ لوگوں کو دیکھا کے وہ احادیث کے بارے میں گفتگو میں مشغول ہیں، میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اوران سے کہا کہ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ کچھ لوگ مسجد میں احادیث کے سلسلے میں محوِ گفتگو ہیں؟ تو انہوں نے کہا، کیا لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، تو انہوں نے کہا سنو! میں نے محمد ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ عنقریب کچھ فتنے اٹھیں گے، میں نے پوچھا کہ ان سے نکلنے کی سبیل کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔

ترجمہ: اللہ کی کتاب، جس میں تم سے پہلے کے لوگوں کے واقعات ہیں اور بعد میں آنے والوں کی خبر دی گئی ہے اور تمہارے درمیان پیدا ہونے والے مسائل کا فیصلہ ہے، یہ کتاب فیصلہ کن ہے مذاق نہیں ہے، یہی وہ کتاب ہے جس کو کوئی جبار ترک کر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور جو شخص اس کے علاوہ سے ہدایت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے، یہ وہ کتاب ہے جس سے خواہشیں کج نہیں ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے زبانیں گڈمڈ نہیں ہوتی ہیں۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے، یہ وہی کتاب ہے جس کو سن کر جن بھی یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکے، ''ہم نے ایک عجیب وغریب قرآن سنا ہے''، یہ وہ کتاب ہے جو اس کے ذریعہ بولے گا سچ کہے گا، جو اس سے فیصلے کریگا وہ عدل کرے گا اور جو اس پر عمل کرے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت سے سرفراز ہوگا۔''

اس حدیث کے خط کشیدہ الفاظ پر خصوصاً غور کیجئے، اس وقت حامل قرآن اس پوری امت کی مجموعی حالت کا پورا نقشہ اس الفاظ کے پس منظر میں آپ کو نظر آجائے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے واقعی قرآن کو چھوڑ دیا ہے؟ تو پھر یہ لاکھوں علماء اور حفاظ کیا ہیں؟؟؟ جواب چاہئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر غور کیجئے، فرماتے ہیں'' ہمارے لئے قرآن مجید کے الفاظ کو حفظ کرنا دشوار ہے اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے اور جو لوگ ہمارے بعد آنے والے ہیں ان کے لئے قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان ہو جائے گا اور اس پر عمل کرنا مشکل ہوگا''۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ''ہم نے اپنی زندگی کا کچھ وقفہ اس حال میں گزارا کہ ہم نے قرآن مجید سے پہلے ایمان پایا، چنانچہ محمد ﷺ پر سورتیں نازل ہوا کرتی تھی، پھر ہم اس کے حلال وحرام، امر و نہی کو سیکھتے تھے اور وہ سب کچھ سیکھتے تھے جس کا علم اُس سورہ کے تعلق سے مناسب تھا، پھر میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں ایمان سے پہلے قرآن مجید ملا کیا پھر وہ اس کو ابتداء سے انتہا تک پڑھ ڈالتے تھے اس حال میں کہ اس

کے امر ونہی۔ بالکل ناواقف ہوتے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کس آیت پر ٹھہرا جائے، چنانچہ ہم آیات قرآنی کو رڈی کھجور کی طرح بکھیر دیتے تھے۔''

حفاظ کرام حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں خط کشیدہ الفاظ پر خاص طور سے غور فرمائیں۔ چونکہ میں بھی الحمد اللہ! ایک حافظ قرآن ہوں اس لئے ان الفاظ کو خط کشیدہ کر کے آپ کی توجہ اس جانب خاص طور سے مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید حفظ کرنے والوں کا وظیفہ مقرر فرمایا کرتے تھے مگر جب انہیں ایک گورنر کی جانب سے یہ خط موصول ہوا کہ سات سو لوگوں نے قرآن مجید حفظ کرلیا ہے تو آپ نے ان کا وظیفہ جاری کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا، ''مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ تفقہ فی الدین سے قبل قرآن مجید کے سلسلہ میں جلد بازی کرنے لگیں گے، اس لئے ان کو کچھ نہ دیا جائے۔''

آغاز مضمون میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے جملوں پر غور کریں، پھر صحابہ کرامؓ کے فرمودات پڑھیں اور قرآن کے سلسلے میں اپنے رویے پر از سرِ نو غور کریں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ مختصر سے مضمون میں قرآن و حدیث کے چند حوالے دیئے جاسکیں ورنہ متعدد حدیثیں اور آیات قرآنی ہیں جو ہمارے موجودہ طرز عمل کی پرزور نفی کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب وہ سرکاری دستور ہے جو احکم الحاکمین کے جانب سے آیا ہے، ثواب اس کا ایک لازمی اور فطری نتیجہ ہے مگر یہ محض ثواب کی کتاب نہیں ہے، اپنے پڑھنے والے سے اس کا مطالبہ کچھ اور ہی ہے۔ ارشاد باری ہے:

''ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔'' (القرآن)

یہ کتاب اس لئے اتری ہے کہ حق اور باطل کا فرق واضح کرے، ہدایت اور گمرہی کی راہیں متعین کرے، سب نئے فلسفوں اور نظریوں کی گنجلک وادیوں میں بھٹک رہی سائنس کو حقیقتِ نفس الامری سے روشناس کرائے اور انسان کو بتائے کہ حیات انسانی کی ان ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں کے درمیان فکر وعمل کی اصل شاہراہ کون سی ہے، لیکن کیا ہم ان باتوں کو جاننے کے لئے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جانے انجانے میں اس قرآن پر وہ ظلم کر رہے ہیں کہ کسی اور کو کچھ کہنے کا ہمارا حق نہیں ہے۔ آیئے صرف حفظ قرآن کے اس طریقہ پر ہی گفتگو کریں جو ہمارے مدرسوں میں رائج ہے۔

اس وقت دنیا میں رائج طریقہ تعلیم کیا ہے؟ دو سال کا ایک بچہ اپنی علمی زندگی کا آغاز ایک پلے اسکول (Play School) سے کرتا ہے، پھر LKG، پھر UKG، اس کے بعد سال کی دس گنتیاں گنتے ہوئے دسویں گیارہویں بارہویں، پھر گریجوئیشن اور پھر پوسٹ گریجوئیشن (Post Graduation) تک پہنچتا ہے۔ اس دوران وہ جو کچھ بھی پڑھتا ہے اسے پڑھانے کے لئے ماہرین تعلیم نے جو نصاب مرتب کیا ہے اس میں اُس کی ذہنی، فکری اور عقلی سطح کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ دو سال کے بچے کا داخلہ ایم بی۔ اے اور ایم۔ اے میں تو کیا پہلی اور دوسری کلاس میں نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ذہنی اور فکری سطح اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر اسے ڈاکٹر بننا ہے تو اسی ایل کے جی۔ اور یو۔ کے۔ جی۔ سے سفر کرتے ہوئے ایک لمبا سفر طے کر کے اسے فن طب (Medical) کے اصل الاصول تک پہنچنا ہوگا اور اس شعبہ کی اسے وہ تمام بنیادی کتابیں پڑھنی ہوں گی جن میں وہ Biology

کے اصول و مبادی کو جان سکے۔ اس طرح سک ماہر فیزیشن (Physition) یا سرجن (Surgeon) سے سے کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح سک انجینئر سے کے لئے انجینئر سک (Engineering) کے کورس کو مکمل کرنے سک اسے سک طویل اور جاں گسل علمی مراحل سے ماہوگا۔ کروہ M.BA ماچاہتا۔ ماصحافت کا Career ماچاہتا ہے تو یہاں بھی مبادی تعلیم کے تمام مرحلوں کو سر کرتے ہوئے اسے علم وفن کے اس مقام سک پہنچنا ہی ہوگا جہاں سک اس کا نصاب مطالبہ ما ہے۔ تبھی جاکے دنیا ما بازار میں اس کی قیمت طے ہو سکے گی۔ غرض علم وہنر کے کسی بھی شعبہ کو مثال بنا کر دیکھئے، اس علم میں ارتقا کی سب منزلیں طے کر کے عمر اور لیاقت کے لحاظ سے ہی ہر آدمی مدگی کے ان شعبوں میں داخل ہو کر معاشرے کے حرائے رکیبی کا سک قابل قدر حصہ ما ہے۔

مگر افسوس کہ وہ قرآن مجید جو زمین وآسمان کے تمام علوم کا سرچشمہ ہے حدا کی وہ الہامی کتاب جو تمام سانوں کی ہداب کے لئے سک لاکھ تئیس ہزار نوسو ننانوے مماء کی بعثت مبارک کے بعد پورے کروفر کے ساتھ نبی حری محمد عربی ﷺ مازل کی گئی، اللہ احکم الحاکمین کا وہ منشور کہ جس نے فساد سے بھری دنیا کو امن سے آشنا کیا، ظلم سے پس رہی سانیت کو عدل سے روشناس کیا اور اخلاق سے عاری دنیا کو ایثار ومحبت، ہمدردی، وفا شعاری، سان دوستی او حدبہ اخوت کے ہم رکاب کیا، اُس کتاب کو اِس حامل کتاب امت نے محض ثواب کی کتاب بنا ما اور اس کتاب میں درج تمام احکامات الٰہی سے عملی بغاوت کرتے ہوئے صرف اسے رٹ لینا اپنی ہی نہیں بلکہ ”سات پشتوں“ کی مغفرت کا ذریعہ سمجھ لیا۔ والدین نے یہ کیا کہ، جو بچہ ذہین نہیں ہے، جس کا مستقبل مابناک“ نہیں لگ رہا ہے، جو گھر میں سب سے مادہ شرارتی، مالی اور کھلنڈرا ہے اسے مدرسہ میں بھیج کر حفظ کرے۔ مراً ما۔ یعنی ”نہ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی ما چوکھا“، تعلیم بھی سستی حراجات بھی ما۔ راور حرت میں ماج پوشی“ کی گارنٹی بھی۔

کچھ نے سوچا، گاؤں کی مسجد اور مدرسہ پر اپنے مدان اور مسلک کا مدبہ ضروری ہے ورنہ اس دیہی معاشرے میں ’مذہبی اجارہ داری‘ کسی ’ڈاگٹ‘ یا ’ماسٹر صاحب‘ کے جھولے میں چلی جائے گی، اس۔ ماقی بیٹوں کو تو ٹی کرھ اور دہلی کی معیاری تعلیم کے لئے روانہ کیا اور جو خام مال تھا وہ علاقہ کے کسی مدرسہ مدرسہ کیا۔ کچھ نے واقعی اخلاص کے ساتھ اپنے بچے کو حفظ قرآن کرانے کی کوشش کی مگر وہ اس تعلیم کی اہمیت اور اس کے مقصد کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ کچھ نے حفظ قرآن کی اس نعمت کو فیشن بنا ما، بچے کو حفظ ما اور پھر عصری تعلیم کے اس ماحول میں جھونکا ماجہاں حفظ قرآن کی وہ دولت بے سروہو کر حب چاپ بچے کے ذہن سے محو ہو گئی اس حال میں کہ کسی کو احساس ماں بھی نہ رہا۔ اور مدرسے میں کیا ہوا؟

مدرسے کی عالی شان عمارت میں عربی درجات کے ماموں کا بورڈ قطار در قطار لگا ہے، راہ داری میں منطق وفلسفہ اور فقہ وادب کی کتابیں سجے سے لگائے طلبا کا ہجوم آمدورفت میں لگا ہے، ا مدہ اپنے درجوں میں پورے وقار وتمکنت کے ساتھ اپنی اپنی مسندوں پر جلوہ افروز ہیں، فقہ وحدیث پر عالمانہ بحثیں چل رہی ہیں، غرض اک شان حدا گانہ ہے جو مدرسے کے فضا کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لئے ہوئی ہے اور دوسری جانب اسی مدرسے کے وسیع وعریض احاطہ میں موجود مسجد کے سک حصہ میں چند بے حال نفوس کی شکل میں طلبا کا سک گروہ رحلوں پر قرآن رکھے جھوم رہا ہے، سادہ سی سک دری پر سک ’حافظ صاحب‘ لمبی سی

چھڑی لئے بیٹھے ہیں جیسے قرآن کی تعلیم نہیں دے رہے ہوں بلکہ بکریوں کے ریوڑ کو ہانک رہے ہوں۔

طلبا کے اس گروہ میں اکثریت نابالغ بچوں کی ہے جنہیں ازار بند کا باندھنے کا شعور نہیں، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ طہارت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ حافظ صاحب اس بات پر تلے ہیں کہ آج وہ ان معصوم بچوں کے حلق سے 'ع' اور 'ص' نکلوا کر ہی دم لیں گے اور جو طلبا اپنی ٹین ایج میں ہیں یعنی جن کی عمریں سولہ سترہ سال کی ہیں ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو جتنی تیزی سے جھوم رہے ہیں اتنی ہی تیزی سے جگالی بھی کر رہے ہیں کیونکہ ان کے منہ میں گٹکا یا چیونگم دبی ہوئی ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو عالمیت کا کورس کرنے والے طلبا کے طنز و مذاق کا نشانہ بنا رہتا ہے، وہ انہیں پڑھاتے ہیں 'کُلُّ حافظٍ جاہلٌ' یعنی ہر حافظ جاہل ہوتا ہے۔ عربی درجات میں پڑھانے والے اساتذہ کی نظر میں حفظ قرآن کرانے والے استاد کی اہمیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ حفظ قرآن کے اس شعبہ کی وقعت ان کی نگاہ میں وہی ہے جو یونیورسٹی کے انجینئرنگ یا میڈیکل فیکلٹی کی نظر میں آرٹس فیکلٹی کی ہوتی ہے بلکہ شاید اس سے بھی کمتر۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہی قرآن کی عزت ہے؟ کیا یہ کتاب دنیا کے بے دین اور گمراہ مصنفین کی کتابوں سے بھی معاذ اللہ کمتر ہے؟ کہ چار پیسوں میں بکنے والا علم تو ایک منظم اور مرتب نصاب کے ذریعہ پڑھایا جائے اور قرآن کی تعلیم اتنی بے توقیری سے چٹائی پر عام کردی جائے؟ تعلیم یافتہ غلاموں کی تیاری میں تو ایک عالمانہ شان ہو اور تمام تر وسائل کو اس کے لئے بروئے کار لایا جائے اور اللہ کی کتاب کے لئے کوئی ضابطہ، کوئی قاعدہ اور کوئی نصاب مقرر نہ ہو؟

قارئین! اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے، کہ کیا ایک بچہ جس کے لئے دیوانگی، فلموں کا بے مثال چسکا، ماضی سے شکوہ، مستقبل سے ہراساں، اپنے آس پاس کے مغربی رنگ و روغن والے کلچر سے مرعوب، اسلام سے ناواقف ماحول اور کفر و الحاد سے لمحہ لمحہ کا سابقہ اور اس پر گھر والوں کی اس کی ذات سے بیجا امیدیں اور توقعات، آپ کا یہ قرآن کو حفظ کرنے کے بعد ایک عجیب و غریب شخصیت کا حامل بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے معنی و مفہوم سے ناواقفیت کی وجہ سے نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ یعنی

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے

آپ اپنے دل سے، اپنے ضمیر سے اور خود اپنی عقل سے پوچھئے کیا ایسا حفظ قرآن خدائے ذوالجلال کی نگاہ میں قابل قبول ہوسکتا ہے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے وہ علماء محترم اس ضمن میں ضرور سوچیں جو فقہ کے ایکسپرٹ تیار کرنے کے لئے تو وسائل کا خوب استعمال کرتے ہیں مگر قرآن کا حافظ تیار کرنے کے لئے مدرسے کی مسجد اور عربی زبان و ادب و تفسیری علوم سے ناواقف اساتذہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ انہیں عظمت قرآن کی خاطر حفظ کے لئے ایک متعین عمر اور علاحدہ بنیادی تعلیمی نصاب مرتب کرنا چاہئے تاکہ حفظ قرآن کا اصل مقصد حاصل ہوسکے۔ انہیں عوام الناس کی بھی رہنمائی کرنی ہوگی کہ فقط حفظ کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے اور والدین کو بھی طے کرنا پڑے گا کہ انہیں حافظ کمپیوٹر بیٹا چاہئے، 'حافظ ڈاکٹر بیٹا' چاہئے، 'حافظ انجینئر بیٹا' چاہئے یا ایسا بیٹا چاہئے جو بیک وقت قرآن کا حافظ، قرآن کا عالم اور قرآن کا داعی ہو؟

(9899566715)

❁ ❁ ❁

مکی سورتوں میں

انور جمال قاسمی مظفر پوری

امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر

خالق کائنات نے دنیا اور اس کے مدرک مدار وغیر مدار، مرئی وغیر مرئی مخلوقات انسان کی خدمت ومصالح کی غرض سے پیدا کیا، جس کا مشاہدہ وتجربہ آئے دن و ہر آن انسان خود کررہا ہے، بلکہ وہ اشیاء جس کی تسخیر اور اس سے استفادہ ماضی بعید میں انسانی دنیا کے خواب وخیال میں نہ تھا مگر آج تاریخ میں جدید دنیا کی فلک بوس عمارتیں اس کی غیر معمولی مدد سے کھڑی ہوئی ہیں۔

انسان جس کی تخلیق کے سب پوری کائنات نے وجود کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا، قرآن کے الفاظ میں "**ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنا ھم من الطیبت و فضلنا ھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (بنی اسرائیل) پھر اس کے تخلیق کی غایت کیا ہے؟ اسے کیا کرنا ہے؟ کس طرح زندگی گزارنا ہے؟ اس کی حیات کا نصب العین کیا ہونا چاہئے؟ اس طرح کے سوالوں کے جواب کی تلاش میں دنیا کے بڑے بڑے حکماء، فلاسفر، مشائیوں واشراقیوں نے اپنی عمریں کھپا دیں، پھر بھی انہیں نہ اس کا صحیح جواب ملا اور نہ وہ دوسروں کے صحیح جوابوں کی تصدیق کی۔ فضل وافضل۔

اسی معمے کے حل اور انسان کو اس کے تخلیق کی غایت، اس کی حیات کا نصب العین بتانے کے مقصد سے اللہ تعالیٰ ابتداء آفرینش سے اپنا مخصوص بندہ و پیغامبر مع دستور حیات کتاب کے بھیجتا رہا ہے، قبل تاریخ اور اس کے بعد کوئی قوم و امت بغیر اللہ کے نبی ورسول کی بعثت کے نہیں گزر رہی ہے۔ "**ان من امة الا خلا فیھا نذیرة**" یہ اس کتاب کا دعویٰ ہے، جس کا موضوع تاریخ نہ ہونے کے باوصف اس کے یک جملے کی نظیر یک دو نہیں ہزار، بارہ ہزار سال سب جا کر بھی آج تک دنیا نہ پیش کرسکی اور نہ اس کے کسی بیان کی تغلیط پر مدلل جرأت کرسکی۔

لیکن انسانی تاریخ کا یہ عجیب حیرت خیز المیہ رہا کہ جب جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں اس جنس کا پاک دامن و صاف کردار انسان بھیجا اور اس نے انسان کے تخلیق کی غایت، مقصد زندگی اور زندگی گزارنے کا طریقہ زبان وعمل سے بتایا، تو اس کے گھر خاندان اور پوری سماجی دنیا نے ان کی باتوں پر نہ کان دیا، نہ بے مثال صاف ستھری سیرت وکردار کے مالک انسان کی بےلوث اصلاحی کوششوں کی قدر کی، بلکہ ان کی باتوں کا مذاق اڑایا، کبھی ساحر وجادوگر بتا کر ان کے درپۓ آزار ہوئے اور انھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا، **وکذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا اٰبآء نا علی امة وانا علی اٰثرھم مقتدون** "(۲۳/زخرف)

انسانوں کی سب سے اکمل ومنور ترین جماعت انبیاء کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ دنیا کی قدیم ترین "بستی" مکہ میں پیدا ہوئے اور اس قوم میں مبعوث ہوئے، جس میں آپ سے پہلے کوئی نبی ورسول نہیں آیا تھا، **لتنذر قوما ما اٰتھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون، بل ھو**

الحق من ربک لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر من قبلک لعلھم یھتدون. (سجدہ)

آپ نے اپنی قوم کو وہی آواز و پیغام دیا جو تمام انبیاء کی تھی اور آپ کی قوم نے اس کا وہی جواب اور ویسا ہی برتاؤ و سلوک کیا جو سابقہ انبیاؤں سے ان کی قوم نے کیا تھا، لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاؤں کا سردار، خاتم النبیین، اور ساری کائنات کا بشیر و نذیر بنایا تھا۔ ''وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا'' آپ نے اپنی مخاطب قوم کی ہر طرح کی بدسلوکی و بدتمیزی برداشت کرنے کا عزم کرلیا، جو صرف آپ ہی کا حصہ تھا، جس کو قرآن کریم نے اپنے صفحات میں تا قیامت محفوظ کردیا ہے۔

مکے میں آپ کی بعثت کی تیرہ سالہ زندگی کو دعوت وارشاد کے اعتبار سے چار درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس درمیان میں نازل ہونے والی سورتوں کو اس کے مضامین اور بیان حالات کے رو سے چار مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یہ سورتیں پوری حد تک آپ کے دعوتی مرحلے، قوموں کے جواب، اس سے پیدا ہونے والے حالات، آپ اور آپ کے احباب جاں نثار کے صبر وتحمل، ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتی ہیں، ان تیرہ سالہ مکی سورتوں کے اشاراتی بیان و مضامین کی روشنی میں کوئی سیرت نگار آپ کی مکی دور کی سیرت تیار کرسکتا ہے؛ بہ ایں وجہ اب ترتیب نزول و ترتیب زمانی سے قطع نظر آپ کے دعوتی مراحل میں پیش آنے والے حالات و معاملات کے بیان کرنے والی سورتوں کو مرحلہ وار پیش کریں گے۔

پہلا مرحلہ:

ا/نبوی تا ۳/نبوی، یعنی تقریباً تین سال۔ اس میں دعوت خفیہ رہی، خاص خاص آدمیوں کو دی جاتی، اس کا مرکز دار ارقم ابن ارقم کوہ صفا کے دامن میں تھا۔

دوسرا مرحلہ:

۴/نبوی تا ۵/نبوی یعنی دو سال، اس میں دعوت مشرکین مکہ کے استہزاء، مذاق، تضحیک، دعوت کے خلاف جھوٹے پروپگینڈے اور غریب و بے یار و مددگار مسلمانوں پر دست درازی میں داخل ہوگئی۔

تیسرا مرحلہ:

۶/نبوی تا ۱۰/نبوی یعنی پانچ سال، اس میں دعوت آغاز فتنہ، ظلم و ستم، مخلصانہ گروپ بندی، معاشی و معاشرتی بائیکاٹ یا کہ بندی میں داخل ہوگئی۔

چوتھا مرحلہ:

۱۰/نبوی تا ۱۳/نبوی تقریباً تین سال، اس میں دعوت انتہائی سخت مصائب و آلام میں آگئی، اس کے متبعین پر سخت ظلم و تشدد ہونے لگے، مکہ انہیں اب برداشت کرنے کو تیار نہ تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے سردارے قبیلے ثقیف وغیرہ اور مکہ کے قرب و جوار کے قبائلی سے اپیل کی مگر ہر طرف سے اذیت ناک اور دل خراش انکار ملے۔

اب ان چاروں مرحلوں میں نازل ہونے والی سورتوں کی اس کے مضامین کی حیثیت سے تعین اور اس میں امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر کا سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعوت کا پہلا مرحلہ:

اس کے تین سالہ زمانے میں دعوت اسلام ابتدائی و خفیہ دور میں تھی، مکہ اسلام کے مبادی عقائد سے ناواقف تھا، کعبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے محدود قوت و اختیار کی معرفت رکھتا تھا، شجرہ و انصاب میں مدطولیٰ رکھنے کی وجہ کر حضرت اسمٰعیلؑ و

راہیمؑ کو اپنے حد اعلیٰ تصور ا تھا، لیکن اس کے علاوہ اللہ کی وحدانیت اور اسی کو مستحق عبادت تصور ا، حشر و نشر، ملائکہ، رسول، جنت و دوزخ برزخ و عذاب قبر، مرکر ارہ دہ ہونے، قیام میزان اور دنیاوی دگی کا حساب دینا وغیرہ اس کی سمجھ ۔ ، رشی تھی۔

اس کا تقاضہ تھا کہ ان ع دکو ایسی چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اس کے مختصر آیتوں کے دل نشیں جملوں میں پیش کیا جائے، چونکہ ب سانی قلب و ذہن میں بہ آسانی ر جاتی ہیں، نفس و روح میں پیوست ہوجاتی ہیں، رگ و ریشہ میں سرایت کرنے سے نہیں رکتیں او سانی فکر نظر کو مبذول کر کے سان کو سوچنے رمجبور کرتی ہیں، اس لئے اس پہلے مرحلے کی قریب قریب تمام سورتیں چھوٹی مختصر آیتوں والی ہیں، ان تمام کے مضامین اسلام کے مبادی ع دہیں، یہ کل سورتیں چوبیس ہیں، جو رتیب زمانی یہ ہیں. **علق، سجدہ، طور، ملک، مزمل، قیمۃ، مرسلت، تکویر، انفطار، اعلیٰ، بلد، الضحیٰ، الم نشرح، التین، القدر، العٰدیٰت، القارعۃ، التکاثر، العصر، الھمزۃ، الفیل، القریش، الاخلاص، المدثر۔**

ان سورتوں کا کری مفہوم اللہ کی وحدانیت کے دلائل، اسے ہی تمام طاقتوں کا مالک، کائنات کا خالق، رومنتظم ہونے کے تصور اور اسے ہی ہر عبادت کے لائق ہونے کے براہین کو شامل ہے، قیامت کا وقوع، اس کی ہولناکی، عا رزخ، عذاب قبر، دنیاوی دگی کے بعد عالم حرت کے وقوع کے بیان کو محیط ہے؛ اسلام کے یہ ع د سان کی سیرت وخصلت، عادات وافعال، قلب نفس او نظر وفکر کی اصلاح اور اس کے در خیر ونیکی کے حذبہ پیدا کرنے میں را روا قع ہوا ہے، اسی وجہ سے دعوت وارشاد کے اس ابتدائی ماحول میں انہی امور کو موضوع سخن کیا اور دل نشیر داز میں پیش کیا ہے۔

دوسرا مرحلہ:

دعوت وتبلیغ کا یہ تین سالہ خفیہ دعو کرام تیسرے سال کے نصف آخیر میں حضرت حمزہؓ وعمر فاروقؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد دعوت دوسرے مرحلے میں داخل ہو کر مکہ کی عام فضاؤں میں آگئی او حدا کی مشیت نے بھی اب اسے عام کر دینے کی وحی فرمادی '**وانذر عشیرتک الاقربین**'۔ اسلام کی آواز و پیغام مکہ کے گلی کوچوں میں سنائی دینے لگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اس کا موضوع سخن بن گئے، فتنے کا آغاز ہوا، استہزاء، مذاق، تضحیک، الزامات، سب وشتم اور آپؐ کے خلاف جھو روپگینڈے کی شروعات ہوگئی، غریب و بارو مددگار مسلمانو ردست د ماں ہونے لگیں، ان دو سالوں میں نازل ہونے والی کل سورتیں اٹھائیس ہیں۔ یہ سورتیں پہلے مرحلے کی سورتوں کے بہ نسبت ری ہیں، اس کی آیتیں بھی ری ہیں، ان سورتوں کے مضامین، توحید، رسالت، کتاب اللہ، قیامت، ملائکۃ اللہ رزخ، حشر ونشر، جنت و دوزخ وغیرہ ہیں۔ ان مضامین کو ذہن نشیں کرانے اور دل میں کریں کرنے کی غرض سے داز بیان عموماً تفصیلی ہے، ان امور کی تفہیم میں وہ قدرتی و فطری اشیاء وحالات کا استعمال ہے، جس ۔ مادیہ نشیں عربوں کا ہمہ وقت سابقہ ا تھا، وہ اسے دیکھتے ومحسوس کرتے تھے، ان کی ضر ات دگی کی تکمیل ا رموقوف تھی، وہ ا رتتے و استعمال میں لاتے تھے، اس کے علاوہ اس مرحلے کی سورتوں میں قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جوم دانہ طرز عمل کا آغاز کیا تھا، اس کی سخت لفظوں میں ر داور ان کے ارد گرد کی امم ماضیہ کے مثالوں سے اس کی بیہودگی ماب کیا ہے۔

اس مرحلہ کی کل اٹھائیس سورتوں میں سے تیرہ سورتوں میں ان قوموں اور ان کے سماء کا ذکر ہے، جن کے مسکنوں، بستیوں اور کھنڈروں سے ان کی آمد و رفت تھی، وہ کسی نہ کسی حیثیت میں اس کی جانکاری بھی رکھتے تھے اور ان سے مکیوں کے ریبنہ روابط و تعلقات بھی تھے، وہ سورتیں ر نب زمانی کے یہ ہیں: **الـ ٰ ـت، المومن، ـم السجدہ، الحاقہ، نوح، المومنون، الفرقان، الذٰرٰت، العنکبوت، ق ، السبا، الز ٰت، الشمس.**

ان سورتوں میں بیان کردہ امم کا ذکر مختلف مقاصد کے لے ا ہے، الصفت میں ۶ رقوموں: قوم نوحؑ، قو براہیمؑ، اہل سدوم، فرعون و موسیٰ، قوم الیاس و یونس بہ طور مثال آئی ہے، اس سے مکی کفار کو ا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نئے ڈرانے والے رسول نہیں ہیں، ان سے پہلے بھی تمہارے ا کرد کی بستیوں میں ہلاک شدہ قوموں کی ہلاکت کا اصل سب ان قوموں کا اپنے سماؤں کے خلاف وہی م دانہ طرز عمل تھا، جو آج تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنائے ہوئے ہو، اسی کی دوسری سورہ مو میں منکرین و مکذب اقوام کے حالات دکھائے ہیں، اپنے مدر مبعوث نبی کے انکار، کذب اور ان کے خلاف افترا و عداوت کا انجام فرعون و حضرت موسیٰ کے تفصیلا مذکرہ سے مکی مشرکین کو متوجہ و متنبہ ا مقصود ہے اور اس کے ضمن میں اسلام کے پیغام کو بگوش ہوش سے دھیان دینے کو کہ کہا ہے، ''اولم **یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین کانوا من قبلھم، کانوا اشد منھم قوۃ و اثارا فی الارض، فاخذھم اللہ بذنوبھم و ماکان لھم من اللہ من واق۔**'' لیکن ''حم السجدہ'' ا انچ نبوی کے آخیر زمانہ کی سورہ ہے، اس میں قرآن کا لہجہ مشرکین مکہ کے تئیں سخت ہے، انہیں واہلک دیتا ہوا محسوس ا ہے، چونکہ مکہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں رھتی تعداد نے دست درازی و ظلم و بر آمادہ ا تھا، اس لیے قرآن نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مکہ اللہ کی عظیم الشا بات سن کر ایمان کی طرف مائل نہیں ا اور توحید و رسالت کے اقرار سے اعتراض ر اڑا ہوا ہے، تو وہ اپنے طرز عمل سے اپنا انجام قوم عاد و ثمود اور دیگر قوموں کے طرز عمل و انجام میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی تناظر میں سورہ ـ انچ قوموں عاد، الثمود، فرعون، سدوم اور قوم نوح کا ذکر ہے، ان قوموں کی ہلاکت کی تباہی مادی سے قیامت کے وقو ردال کہ کہا ہے اور اس کی ہولناکی و زہرہ گدائی ۔ ا ممکن تصور کی ر چھائی ان قوموں کی ہلاکت میں کسی قدر محسوس کی جاسکتی ہے، لیکن سورہ المومنون میں قوم نوح و فرعون اور حضرت موسیٰ کے بیان سے قرآن کا مقصد اہل مکہ کے رو اللہ کی اس رحمت کا اظہا ا ہے جس اللہ نے سان کی جسمانی ضر بات کا انتظام ا ہے اور اس سے سان مدہ حاصل کررہا ہے، اس سے اس کے جسم و جان کی بقا و نشو و نما، حفاظت و صیانت ہوتی ہے، اسی طرح خالق کل نے اپنی رحمت سے سان کے روحانی حوائج کا انتظام ابتداء دنیا سے وحی و رسالت کے سلسلہ کے قیام میں کیا ہے۔ جس قوم نے صرف جسمانی ضر بات سے مدہ حاصل کیا اور روحانی حوائج سے انکار کیا ہے، تو اس کا انجام قوم نوح و فرعون کی شکل میں تم اہل کتاب سے سنے اور دیکھتے ہو۔ ان سورتوں کے علاوہ سورہ فر ـ انچ قوموں کی ہلاکت کا اصل سبب ان قوموں کا اپنے نبی و رسول سے مسلسل م دانہ عمل رہا ہے، اسی وجہ سے اس سورہ کا طرز بیان انتہائی سخت ہے، مہلکہ قوموں کے بیان والی سورتوں میں تک الذر ہے، اس کے مدر قرآن کو کلام اللہ ہونے اور قیامت کے وقوع ہونے میں شک و شبہ کا

ابطال اس طرح کیا ہے کہ سان کو جب اپنے نطق میں شک و
ریب نہیں ہوتے تو پھر اسے قرآن اور قیامت کے وقوع میں
شک ماس کی کم عقلی ہے اور اسی کم عقلی کے سب مکہ کے قرب و
جوار کی چھ قومیں: قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ، سدوم، فرعون، عاد وثمود
اپنے نبی کی رسالت و قیامت کے انکار سے فنا ہو چکی ہے؛ اس
لیے اہل مکہ مشرکین بالقصد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور
قیامت کے انکار سے اپنی کم عقلی کا مظاہرہ کر کے خود کو قعر جہنم میں
ڈالنا اچھا نہیں ہے، سورہ کے پورے مضامین میں حضرت
نوحؑ کی دعوت کر میاں، اس کے لیے آپ کا مختلف مداز اختیار
ما اور اس کے جواب میں ان کی قوم کا معارضانہ رویہ اور پھر
اس کے انجام میں اس کا غرق کئے جانے میں اہل مکہ کو محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنائے ہوئے ظالمانہ روش کے انجام کو
دیکھنا چاہئے، اسی سلسلے کی ک اور سورہ العنکبوت ہے، اس
مداز بیان بہت سخت و تیکھا ہے، اس کے الفاظ ترا کیب میں
بلا کی شدت ہے، ایسا محسوس ما ہے کہ کوئی صاحب جبر جبروت
بادشاہ غیظ وغضب میں اپنے مخالفین کو دھمکی آمیز الفاظ سے
مخاطب کر رہا ہے، چونکہ عنکبوت رول تک مکہ کی سختیاں
مسلمانوں پر انتہا کو پہنچ رہی تھیں، کمزور مسلمان ترک کرنے اور
حبشہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ما ان لوگوں نے نوح
وسفینۂ نوح ماریخ دہرائی اور اس کے برخلاف سات امم ماضیہ
ماریخ تباہی سنا کر کفار مکہ کو ہوش میں آنے کی وا ک دی ہے۔
سورہ میں منکرین رسالت قوم کو قیامت کے وقوع کی دلیل بے
آب کیاہ چٹیل میدان سے دی ہے، ک مردہ زمین جس میں
کوئی پیڑ و پودے نہیں ہوتے مگر جب بارش ہوتی ہے، تو وہ
میدان وزمین سبزہ زار ہو جاتی ہے، اس کا مشاہدہ مکہ والے روز
کرتے ہیں تو کیا انہیں اتنی آسان بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ
مردہ مٹی میں مل کر جب مٹی ہو جائیں گے، تو وہ بھی حشر بارش
حیات سے ما سان بن کر بارہ مدہ ہو جائیں گے۔ ایسی
سا ماتوں کو مان کر بہت سی قوم مدہ ج مدہو گئیں مگر اس سے
کہیں ماداقوام: قوم نوح، اصحب الرس، ثمود، فرعون، سدوم،
اصحب الایکہ اور قوم تبع اس کی، تکذیب سے مٹادی گئیں ہیں۔
اس مرحلے کی سب سے حری سور ہے۔ اس کے تعلق سے
علامہ عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

''یہاں تک معرض ماسپاس قوم (سبا) کا ذکر ہے،
بڑے عیش و رفاہیت، خوشحالی و فارغ البالی کے بعد کفر و
ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی، یہ قوم بڑی دولت مند اور ذی
اقتدار قوم تھی، جو صدیوں تک بڑے جاہ وجلال سے ملک پر
حکومت کرتی رہی ہے''۔

یمن سے اہل مکہ کا قدیم تجارتی تعلق تھا، ان کی تباہی
بادی کے واقعہ بھی وہ دیکھ چکے تھے، وہاں کی تباہی سے خانماں
بادقبائل ان کے علاقے میں مادہو چکے تھے، اس سے مکہ کے
مشرکین کو عبرت لینا چاہئے کہ اللہ نے ان پر بھی بے شمار انعام
کے دروازے وا کئے مگر اس کے مدر مبعوث، اللہ کے نبی سے کفر
وعناد کے سب وہ بھی اس کے عذاب سے بچ نہیں سکے۔

تیسرا مرحلہ:

آغاز فتنہ ۶ر نبوی سے خواجہ ابوطالب اور حضرت
خدیجہ کی وفات ۱۰ر نبوی تقریباً پانچ سال، اس میں مخالفانہ جتھ
بندی ہوئی، ظلم وستم میں شدت آئی، مکے کی ہر نئی صبح مسلمانوں پر
نئے مظالم ومصائب لے کر آتی اور ہر شام نئے جبر وتشدد کا آلارم
دیتی، دعوت اسلامی کے راستوں کو مسدود کرنے کے مشورے
ہونے لگے، اسلام سے برگشتہ کرنے کی غرض سے سماجی ونفسیاتی
باؤ ڈالنے میں ہر طرح کے حربے استعمال ہونے لگے۔

دوسری طرف آپ کی دعوتی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی، آپ دن و رات اس کی فکر میں رہتے، مکہ کے جاہلانہ عقائد، خیالات، کافرانہ رسم ورواج پر کھل کر تنقید کرنے لگے، قرآن نے ان کے بتوں ومعبودوں کی بے چارگی کی بے لاگ مذمت کی، خواجہ ابوطالب کے پاس مکہ کا مصالحاتی وفد بار بار جا کر ناکام واپس آ رہا تھا، ایسی صورت حال میں اللہ کا پیغام "هـذا كتـاب انـزلـنـه مـبـرك مـصـدق الـذى بين يديه ولتنذر ام القرىٰ ومن حـولـهـا" نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوتی ذمہ داریوں میں اضافہ کیا اور آپؐ اس حکم کی تعمیل میں سرگرداں رہنے لگے۔

اس تیسرے مرحلے میں کل انیس طویل سورتیں نازل ہوئیں: یـونـس، هـود، کهف، مـریم، دخان، جاثیـه، قـمـر، طـارق، بـروج، یٰـس، لهـب، کوثر، زخرف، لقمان، ذٰلٰت، جن، شعراء، قصص اور نمل۔ ان میں گیارہ سورتوں میں دیگر حق کے مقابلہ میں محاذ آرا ہونے والی قوموں وامتوں کی محاذ آرائی کے نتائج کا تفصیلی بیان ہوا ہے، جو اپنے کفر وعناد کے سبب اللہ کے مختلف عذاب وعتاب کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں۔

سورۂ یونس میں قوم نوح اور فرعون کا بیان ہے، ان دونوں قوم کو ان کے جلیل القدر دو نبی کی سخت عداوت ودشمنی اور کفر شرک کے سبب غرق آب کیے جانے کا بیان مکیوں کو سنایا ہے، تاآنکہ وہ خاتم الانبیاء کی تکذیب وعداوت اور اپنی مشرکیات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوسکتا ہے، ہود میں دو جماعت مسلمان ومشرکین کی مثال اعمی، اصم اور بصیر وسمیع سے دی ہے۔ دیگر حق کی پیرو جماعت بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کر کے عذاب خدا سے ہمیشہ کے لیے اخروی نجات حاصل کر لیتی ہے، اس کے برخلاف اندھے و بہرے لوگ جو بصیرت سے خالی اور بات سننے کی سماعت ان میں نہیں ہوتی، وہ خدا کی دائمی پکڑ میں آ جاتے ہیں۔

اس سے ان مکی مشرکین کو قوم نوح، عاد، ثمود، سدوم، مدین اور فرعون کا واقعہ سنایا، جنھوں نے اپنے انبیاؤں کی نہ حق بات پر کان دھرا اور نہ بات انہیں نظر آئی، تو وہ اپنے عمل شنیع سے اللہ کے عتاب کا مورد بن گئی۔ سورۂ مریم اس میں چند انبیاؤں کا ذکر معجزانہ انداز میں ہے، یعنی ان انبیاؤں کی پیدائش، ان کی حیات وغیرہ خود معجزہ ہے، اس بیان میں دراصل مشرکین کا آپؐ سے معجزہ طلب کرنے کی تردید ہے، انہیں بتایا کہ ان انبیاؤں کے حالات، ان کی ولادت وغیرہ میں تمہیں معجزے کیا نظر نہیں آتے، کہ وہ بلا باپ اور بوڑھے یا بانجھ ماں کے شکم سے کیسے پیدا ہوئے؟ یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟ پھر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر معجزہ طلب کیوں کرتے ہو؟ اگر اس واضح دلائل کے بعد بھی تم محمدؐ کی رسالت اور قرآن کے کلام خدا ہونے پر ایمان نہیں لاتے تو تمہارا انجام انہیں قوموں جیسا ہوسکتا ہے۔

دخان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ظلم وستم، جبر تعدی سے دل گیر ہو کر ان کے حق میں بددعا فرمائی تا آنکہ وہ سدھریں اور پیغام خدا کی طرف متوجہ ہوں، آپؐ کی بددعاؤں سے ان پر سات سالہ قحط پڑا، پھر بھی اہل مکہ کے قلوب نرم ہوئے اور نہ وہ اپنی سرکشی سے باز آئے۔ نتیجتاً نظر آئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی آمیز انداز میں خبردار کیا: "ولـقـد فتـنـا قبـلـهـم قـوم فـرعـون" اس کے ہلاکت کی تفصیل دیکر کہا: اهـم خیر ام قـوم تـبـع والـذيـن مـن قبـلـهـم اهـلـكـنـهـم انهم كـانـوا مجرمين" (۳۷رق۲)

سورۂ ... میں بتایا کہ قیامت کے روز اس کی

هولناکی سے گھبرا کر منکرین خدا کہیں گے "هذا یوم عسرة" اس کے بعد قرآ ما پانچ قوم؛ قوم نوح، عاد وثمود، اہل سدوم اور فرعون کی ہلاکت وتباہی سنا کر تمام مکذبین رسالت وقیامت کو ما چاہتا ہے، کہ اس رچھائیاں دیکھنا ہو تو ان جیسے ان منکرین خدا کی ہلاکت میں دیکھ سکتے ہو۔

حر اس میں موسیٰؑ راہیمؑ کے بیان سے ما ہے، کہ ہم نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت واطاعت کی اجازت نہیں دی اور نہ ہمارے مبعوث پیغامبروں نے اس کی دعوت وتبلیغ کی ہے جن قوموں نے اللہ کے سوا جمادات و مات کی پوجا کی، تو اس کا ثہ ماک انجام ان قوموں کی ہلاکت میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

، میں حضرت موسیٰ وفرعون کے بیان میں دین کے داعی اور دشمن دین کے درمیان کی طویل داستان المناک وتفصیل سے ہے، یہ مشرکین مکہ کو سنا کر انہیں درس دینا ہے کہ فرعون اپنے جلیل القدر رسولؑ نافرمانی وتکذب سے غرق نیل ہوا، تو تمہیں اپنے در مبعوث خاتم ا سماء کی دعوت دین کے تعلق سے اپنے اؤ، تکذب اور عداوت کے تئیں غور وفکر ما چاہئے۔

:اس کے در چھ اقوام کی ہلاکت کے بیان میں یہ ما ہے کہ کسی قوم کی تکذب وعداوت د رفوراً گرفت نہیں ہوتی، تو اس کا مقصد یہ نہیں ما کہ وہ دشمنان دین ٹھیک راہ ر ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے امہال ماہ مگر پھر اس کو عداوت د رسزا مل کر رہتی ہے۔ مشرکین کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اختیار کئے گئے رانہ سلوک ر کر فوری پکڑ نہیں ہو رہی ہے، تو اس سے وہ خوش فہمی میں نہ رہیں؛ وہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے۔

قصص: اس کے ما ماپانچ قوموں کی ہلاکت کے بیان سے کفار مکہ کو ہوشیار ما ہے کہ جس طرح تمہارے قرب و جوار کی ان مہلکہ اقوام نے خود کو غالب وطاقتور تصور کر کے اپنے نبی و رسول اور ان کے متبعین کو کمزور سمجھ کر ا رظلم وستم ڈھانے میں کمی نہیں کی مگر آج اہل بصیرت دیکھ رہے ہیں کہ طاقتور ہلاک ومٹ چکے اور کمزو ماتواں غالب ومنصور ہو کر مدہ وج مد بن گئے ہیں، ا رتم بھی خوب سوچ لو۔

چوتھا مرحلہ:

۱۰ر نبوی سے ۱۳ر نبوی تک، تقریباً تین سال، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی مصیبت و تکلیف کا زمانہ تھا، ان کے بظاہر دو معین ومددگار خواجہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو چکی تھی۔ مشرکین مکہ ابوطالب کی شخصیت سے خائف ضرور رہا کرتے تھے مگر اب انہیں کھلی چھوٹ تھی، اس لئے وہ آپؐ اور مسلمانوں رداشت کر۔ ر تیار نہ تھے، آپؐ کو جسمانی وذہنی تکلیف پہنچانے میں ہر طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے، وہ آپؐ سے بے تکے معجزے کا مطالبہ کرتے "**وقالو لن نومن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعا، اوتکون لک جنة من نخیل و عنب فتفجر الانہٰر خللها تفجیرا، او تسقط السمآء کما زعمت علینا کسفا اوتاتی باللّٰہ والملٰئکة قبیلا، او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السمآء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتبا نقرؤه**" اسی طرح دیگر معجزے وغیرہ طلب کرتے اور آپ کو دق دیتے، آپ مکی کفاروں کی انتہائی سرکشی سے تنگ آکر مکہ سے طائف گئے، وہاں بھی آپ کو مکہ سے کسی قدر بھی کم تکلیف والم کا سامنا نہ ہوا، حج کے موا رعرب کے تک تک قبیلہ سے آپؐ نے اپیل کی مگر ہر طرف سے انکار وسکوت ہی ملا۔

مکہ کے حری دور کی سورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوا ر ہورہے ظلم و تعدی اور تنگ ہوتی ہوئی زمین کے تناظر میں اس دور ؒ مازل ہونے والی کیارہ سورتیں ہیں، یہ سورتیں کافی طویل ہیں، ان کی آیتیں لمبی ہوتی ہیں، ان کے مدر مکہ کے حری مرحلہ کے انتہائی بگڑے حالات کے مار صاف ماں ہیں، مشرکین مکہ کو ان کے اس طرز عمل ر سخت لفظوں میں حرو ح ہے، اا کیارہ سورتوں میں سے سات سورتوں میں کرری مہلکہ قوموں کا بیان ہے، ر نسب سورہ اعر میں قوم نوح، عاد ثمود، سدوم، مدین اور فرعون مصر کا بیان کافی تفصیل سے ما ہے، جس کا پس منظر یہ ہے مارش سے لائق زمین سرسبز و شاداب ہوکر مدہ منہ می ہے، اسی طرح بنجر و روئیدگی سے خالی زمین کو اس سے کوئی مدے نہیں ہوتے، اسی طرح مماؤں کی بعثت سے اچھی استعداد کے لوگ ان کی آو ر لبیک کہہ کر دنیا و حرت دونوں کو سودمند ؛ لما ہے اا ری استعداد کو کوئی مدہ حاصل نہیں ما نکی وہ مخالفت کرکے اپنی دنیا و عاقبت دونوں حراب کرلیتے ہیں۔

سورہ یو : اس میں حضرت یوسفؑ اا رادران یوسفؑ کی مثال دے کر ما ہے کہ جس طر رادران یوسف حضرت یوسفؑ کو بہ ظاہر اپنے خیال میں بزکنـ میں ڈال کر صفحۂ ہستی سے مٹا چکے تھے، لیکن حدا کی قدرت و مصلحت سے کئی سالوں بعد وہ رادران ان کے سامنے سجدہ ر ہوکر ان کی رعیت بن کرا ر مجبور ہوئے، یہی پوزیشن اہل مکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، مشرکین مکہ ان کو مٹانے کی مدبیر میں ہیں، لیکن وہ وقت دور نہیں کہ مشرکین مکہ ان کے سامنے مغلوب ہو کر ان کے رحم وکر ر ہوں گے۔

سور راہیم: اس میں عراق کے کوہ آرارات کے وسیع خطوں کی قوم نوح، عاد اور ثمود کا ذکر ہے، ان کی اپنے نبی کے تعلق سے جو سوچ و عمل تھا اور اس کے لیے وہ مدابیر کررہے تھے، وہی فکر و سلوک مشرکین مکہ اپنے نبی اور رسول کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن ان قوموں کے طرز عمل کی جو سزا مشرکین کے آنکھوں کے سامنے ہے، اس سے ان کو عبرت حاصل ما چاہئے۔" **فانظر کیف کان عاقبة**، الخ

سورۂ حجر، احق او ، یہ تمام سورتیں طویل ہیں، بیان بہت سخت ہے مداز تخاطب میں حرو ڈا س صاف نظر آتی ہے، مشرکین مکہ آپؐ کے خلاف جو ماک کھ ما سلوک اختیار کرنے کا مشورہ کررہے تھے، قرآن اسے حضرت صالح کی قوم کے طرز عمل کے ذریعہ اہل مکہ کو متنبہ کررہا ہے اور واضح لفظوں میں خبردار ما کہ صالح کی قوم کا نتیجہ تمہارے قرب کھنڈروں کی شکل میں موجود ہے، اس سے تم بھی نتیجہ حد کرکے اپنے طرز سلوک ر غور کرو" **وکان فی المدینة سعة**" الخ

یہ نبی کریم ﷺ کے قتل کے مشورہ اور اس سلسلے میں جو سازشیں کررہے تھے اس کا کھلا بیان ہے، آپؐ کے ما ما قید کرنے کے مشورہ و سازش میں بھی حضرت صالحؑ کے مخالف نو جماعتوں کے سرداروں کی طرح مکہ کے نو سردار ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، سفیان بن حرب، عاص بن ہشام، السود بن مطلب بن اسد، عاص بن وائل اور منبہ بن الحجاج بن عامر شریک تھے اور اا مد طینتوں نے ہجرت کے قبل والی رات میں آپؐ کے مکان کا محاصرہ کرکے آپؐ اور اسلام کے ش ریں دشمنوں و مہلکہ قوموں کی لمبی فہرست میں خود کو شامل کرکے ملعون و مغضوب بن گئے۔

(09162118104)

دینی مدارس میر تدریس حدس

ماا شہد ر ۔ مدوی

تیــرھــویں صدی ہجری ہندستان میں علم حدس
کے ماب میں انقلابی صدی کہلاتی ہے، کیوں کہ اسی زمانے میں
ماقاعدہ دینی اداروں کا قیام عمل میں ما اور علم حدس کی تعلیم و
تدریس کا ک مبسوط نظام مر ب ہوا۔ مدارس کے قیام سے پہلے
ائمہ ومحدثین کے انفرادی حلقے تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دیتے
تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ م۱۰۵۲ھ اور حضرت شاہ ولی اللہ
محدس دہلویؒ م۱۱۷۶ھ نے امہات کتب حدس کو ہندستان
میں متعارف کرانے کی جس مبارک کوشش کا آغاز کیا تھا، ان
مدارس نے اس عظیم الشان مشن کو
کامیابی سے ہم کنار کیا۔ آج
ہر طرف علم حدس کا جو غلغلہ سنائی
دیتا ہے، یہ انھی مدارس دینیہ کا
مرہون منت ہے۔

مدارس میں تدریس حدس

علم حدس کے
ماب میں دینی مدارس کی
حدمات مختلف النوع ہیں۔
مشہو ماات ہے کہ نصابی
ماریخ کے ابتدائی ادوار میں
میں علم حدس بہت مقبول مضمون نہ تھا۔ اس وقت
ما ر مضامین انتظامی ضر مات کے تحت ر ھائے جاتے
تھے۔ تعلیمی نصاب کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے صحاح
ستہ کو متعارف کرانے کی کوشش کی مگر ک صدی بعد یہ کوشش
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے زمانے میں اس وقت
مارآور ہونی شروع ہوئی، جب انھوں نے مروجہ علوم وفنون کا بے
لاگ تجزیہ کر کے قومی وملی ضر مات کے تحت نیا نصاب مدون
کیا، اس میں قرآن وحدس کی تدریس کو سادی اہمیت دی اور
مؤطا امام مالک کے ساتھ صحاح ستہ کے درس و تدریس کا سلسلہ
شروع کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مام ور اولاد نے اسے مقبول
عام بنانے کے لیے سارے جتن کیے مگر بعد کے ادوار میں تھوڑی
بہت ترمیم کے ساتھ وہی نصاب مقبول رہا، جسے عرف عام
میں ''درس نظامی'' کہا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں
عمل میں آیا۔ اِس کے قیام کے ساتھ دینی مدارس کی ماریخ میں
ک نئے ماب کا آغاز ہوتا ہے۔ ماب دیوبند نے
مدوین نصاب کے وقت درس
نظامی کی مکمل پیروی کرنے کی بہ
جائے نصاب ولی اللہی کو بھی پیش
نظر رکھا اور اس کا قابل قدر حصہ
اپنے نصاب میں مدغم کیا۔ خاص
طور سے علم حدس کی امہات کتب کو
شامل نصاب کر کے درس نظامی کو
متوازن بنانے کی سعادت حاصل
کی۔ اس نصاب کا امتیاز یہ تھا کہ اس
میں پہلی مار اصول ستہ کو ماقاعدہ جگہ ملی۔
اس کے علاوہ مشکوۃ کی تدریس کے لیے
بھی گنجایش رکھی گئی، جو پہلے سے درس نظامی کا حصہ تھی۔

تحریک ندوۃ العلماء نصاب تعلیم میں اصلاح اور
''قدیم صالح اور جدید نافع'' کے امتزاج کے لیے ماہوئی، اس
نے تعلیم و تدریس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کر کے ک نیا
نصاب مدون کیا۔ اس میں بھی امہات کتب حدس کو متناسب
جگہ دی گئی۔ البتہ تمام احادس کو ک ساتھ پڑھا دینے کی بہ

جائے طلبہ کی ضرورت ولیاقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کو پورے دورانیہ تعلیم میں پھیـ کیا ہے۔ چنا انویہ خامسہ سے شروع ہوکر رس کی مدت تعلیم میں ہر سال مادہ حدیث کو یک لازمی مضمون قرا کیا۔ اس طرح یک متوازی نصاب وجود میں کیا۔

مدرستہ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح نے دیوبندا ندوہ دونوں کے نصاب ہائے تعلیم کو چھوڑ کر یک نئے نصاب تعلیم کی بنیاد ڈالی، جس کا امتیازی وصف قرآن مجید کی محققانہ تعلیم ا ا ہے۔ اس میں دیگر علوم وفنون کو قرآن مجید کی تشریح اور معاون کے ط ر ا ا ہے۔ ان اداروں میں بھی امہات کتب حدیث کی تعلیم کو اہمیت دی گئی اور ہر کتاب کے کچھ منتخب ابواب کو نصاب میں شامل کیا۔ مدرستہ الاصلاح میں موطا امام مالک اور جامعۃ الفلاح میں بلوغ المرام الاستیعاب درس کا نظم رکھا گیا۔ البتہ جامعۃ الفلاح نے اختصاص فی الحدیث کے طلبہ کے لیے یک مبسوط نصاب مقرر کیا ہے، جس میں متون امہات الکتب کے سا ارِیخ مدوین جرح وتعدیل، تخریج، نقد اور شبہات حول الحدیث جیسے موضوعات رمعاصر مصنفین کی کتابیں شامل کی ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس اور اس کے ر مدارس تحریک اہل حدیث کی کوششوں کا ثمرہ ہیں۔ حدیث سے خصوصی لگاؤ کی وجہ سے ان اداروں میں متن حدیث کی تفہیم کے سا اریخ حدیث، علوم حدیث اور اصول حدیث ربھی خصوصی توجہ دی گئی ہے ا ندوۃ العلماء کے ط ر امہات کتب حدیث کو تمام مراحل میں تقسیم کرنے کے ساتھ مختلف جہات سے طلبہ کو علوم الحدیث سے روشناس کرانے کی نئی طرح ڈالی گئی ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا نصاب حدیث بھی ندوۃ العلماء کے طر ر ہے۔ یہاں بھی امہات کتب حدیث وعلوم حدیث کی مختلف مراحل میں تعلیم ہوتی ہے۔

مدریس حدیث کے تین طریقے

درس نظامی کے مطابق چلنے والے مدارس میں الفیۃ الحدیث اور مشکوٰۃ عالمیت کے ابتدائی درجات میں رھانے کے بعد درمیانی رسوں میں حدیث الکل تعلیم نہیں ہوتی۔ پھر حری سال پوری طرر مدریس حدیث کے لیے مخصوص ا ہے، جس میں صحاح ستہ کے ساتھ مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد الاستیعاب درس اہے۔ ان کتابوں میں تقریباً چالیس ہزار احادیث ہیں، انچ ہزار سے مد صفحات رپھیلی ہوئی ہیں۔ طلبہ وا مدہ سب و روز مشقت کرکے یہ نصاب مکمل کرتے ہیں۔ اس نصاب اور طریق مدریس کی افادیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس طرح طلبہ کی پورے ذخیرہ حدیث نظر ہوجاتی ہے۔ مبادی مسائل واحکام سے طلبہ چوں کہ پہلے سے واقف ہوتے ہیں، اس لیے متون کا سرسری اعادہ ہی مسائل کو متحضر کرنے کے لیے کافی اہے۔

رلیس کی ایجاد سے پہلے مدریس حدیث کے ضمن میں قرأت والقاء کو مبادی اہمیت حاصل تھی۔ معلم ومتعلم دونوں پہلے سے پختہ علم وشعور رکھتے تھے۔ انھیں معانی ومطالب کی توضیح و تفصیل کی ادہ ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے لیے متون کی رواں خ مدگی کافی ہوتی تھی۔ یہ نصاب مدا اسی عہد کا نمائندہ ہے۔ اس نصاب اور طریقہ مدریس رہر زمانے میں ش مد تنقیدیں ہوئی ہیں۔ علامہ رشید رضا مصری دیوبند کا دورہ کرکے لوٹے تو اس کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ دورۂ حدیث کے بارے میں اکستان کے مشہور عالم دین م ا ابوعمار زاہد الراشدی فرماتے ہیں: ''دورۂ حدیث کے طلبہ کی غالب اکثریت

موجودہ طر راحادیث کے مضامین کا ادراک نہیں ماتی، وہ حدیث کے انہ رے ذخیرہ سے یوا کر رجاتے ہیں جیسے کوئی شخص نیم خوابی کی حالت میں اونگھتے ہوئے کہ ماغ سے کر رجائے۔حلقہ دیوبند کے ماموعالم م ماتقی عثمانی بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں۔وہ فرماتے ہیں" دورۂ حدیث کے لیے ک سال کے مختصر وقت میں حدیث رھنے رھانے کا حق ادا نہیں ما،عموماً یہ ماہے کہ حدیث کے معدودے چند ابواب تحقیق وتفصیل کے ساتھ مکمل ماتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے،اس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ مدر ہوجاتے ہیں۔استاد وشاگرد حرسال میں انتہائی بھاگ دوڑ ر مجبور ہوجاتے ہیں، حالانکہ صحیح بخاری کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے، جسے رواداری میں کرا ماجائے"۔(ہمارا تعلیمی نظام،ص:۵۰۱)

دوسرا طریقہ مدریس مدرسۃ الاصلاح کا ہے، جو امہات کتب حدیث میں چند کتابوں کا انتخاب اور ان منتخب کتابوں کے کچھ منتخب ابواب مدریس کا نظم کرتے ہیں ماریخ و مدوین کے موضوعات رلیکچرز کا اہتمام ماہے اور اصول حدیث کے موضوع ر ک بہت مختصر رسالہ تیسیر اصول الحدیث مرتبہ م مامحمد عمر اسلم اصلاحی شامل نصاب ہے۔

جیسا کہ ر ذکر مااس مکتبِ فکر کا امتیازی وصف قرآن مجید سے شدت اعتناء ہے۔نصاب تعلیم میں اسے کری اہمیت دی گئی ہے۔احادیث کی جانب اعتناء میں کمی کا ہمیشہ ا ر الزام مد مارہا ہے۔حدیث کے نصاب میں انتخاب در انتخاب مالیسی کی وجہ سے اسے وہ جگہ نہیں مائی جو اس جلیل القدر علم کا حق ہے۔جامعۃ الفلاح ما گنج کا اختصاص بھی قرآن مجید کی محققانہ تعلیم ہے مگر اس۔ مالخصوص فضیلت کے درجات کے لیے بہت ہی جامع ومتوازن نصاب تیار کیا ہے، جس میں مدریس متون کے ساتھ حدیث ماریخ مدوین، اصول جرح وتعدیل، فقہ الحدیث، نقد الحدیث، شبہات حول الحدیث وغیرہ ر جتنا مواد شامل کیا ہے، مدہی کسی دوسرے مدرسے نے شامل کیا ہو۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ماحات میں ک چیز مشترک ہے، وہ یہ کہ یہ مدارس تقریباً تمام امہات کتب حدیث کی مدریس کا ہر تعلیمی مرحلے میں اہتمام کرتے ہیں۔ان اداروں میں بخاری ومسلم مکمل رھانے کا اہتمام ہے۔کچھ کتابوں مادہ حصہ ر ما ماہے اور کچھ کتابوں کے منتخب ابواب راکتفا کیا ماہے۔

اس تیسرے طبقے میں علوم الحدیث ر سب سے مادہ توجہ جامعہ سلفیہ کے نصاب میں دی گئی ہے۔متن حدیث کے ساتھ ہر تعلیمی سال میں ان کے یہاں اصول حدیث وعلوم حدیث ر بھی کوئی ایسی کتاب ضرور شامل ہے، ماریخ حدیث، علوم حدیث اور اصول حدیث کی مختلف جہات ر محیط ہے۔

اِصلاحی تدابیر

مروجہ نصاب تعلیم کی متذکرہ صورت حال کے پیش نظر سوال پید ماہے کہ کیا یہ صورت حا مالکل اطمینان بخش۔ ما اس میں مدبہتری لانے کی گنجایش ہے۔ کر علم حدیث کے قیمتی ذخیرے، اس سے متعلق علوم وفنون کی مختلف جہات، تقاضوں اور معاصر عہد میں مدریس وطریقۂ مدریس میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا جائے تو ابھی بہتری لانے کی کافی گنجایش ہے۔

ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ہر علم میں دس سال کے مدر کیا اضافہ ہو ماہے۔متون حدیث میں اضافے کی بظاہر کوئی گنجایش نہیں مگر حدیث کا علم یہیں رختم نہیں ہو ما، بل کہ اس کا

ره بہت وسیع ہے۔کئی نئے علم وفن حدیث کی وجہ سے وجود میں آئے۔ پچھلی چند دہائیوں میں اس موضوع پر غیر معمولی کام ہوا ہے۔مروجہ نصاب نصاب تعلیم میں متون کی ؎ مدگی، ان کی تفہیم وتوضیح اور کچھ اصولی مباحث کی تعلیم یادہ زور ہے۔ان تحقیقات سے واقفیت کا شوق و ولولہ خال خال ا ہے۔ جب کہ علم حدیث کی تدریس کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ وا مدہ کو مدرساتی تعلیمی مرحلے میں ان سے واقفیت ہو جائے۔

متون کی حفاظت اور ان کا استحضار تدریس حدیث کا محض یک پہلو ہے۔ کچھ پہلو ایسے بھی ہیں، جن کی اہمیت کے اعتراف کے باوجود نصاب تعلیم میں ان کو مناسب جگہ نہیں مل سکی۔ نصاب تعلیم وہی مکمل ومفید ا ہے، جس میں مضمون کا مقصد، افادیت، مطلوبہ مقدار، وقت اور طریقہ کار واضح طور پر متعین ہوں اور مشاورت کے ذریعے یہ امور انجام دیے گئے ہوں۔علم حدیث کا نصاب مقرر کرتے وقت کم از کم ؎ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہوسکتی ہیں:

مناسب مقدار میں متن کی ؎ مدگی، تصحیح عبارت اور صحیح ترجمہ کی مشق (۲) منتخب احادیث کا حفظ (۳) مفردات، تراکیب اور اشارات کی توضیح (۴) اوامر ونواہی کا استنباط اور اس کی تشریح اس طرح کی جائے گی کہ تعلیمات رسول ﷺ کا مدعا واضح طور پر طلبہ کو معلوم ہو جائے، اس سے اسلام کے مکمل نظام حیات ہونے کا تصور سامنے آئے اور انسانی معاشرے کے ہر گوشے میں ان سے رہ نمائی ملے (۵) عصری مسائل اور چیلنجز کا تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں شافی ومسکت جواب دینے کی مشق (۶) مسائل کے استخراج واستنباط میں قرآن وسنت کی حقیقی روح پیش نظر ہو اور جو فطری نتیجہ برآمد ہو وہی پیش کیا جائے، اس کی پوری احتیاط کی جائے کہ مسلکی تفوق ماس کرنے کی کوشش میں روح حدیث مجروح نہ ہو (۷) امہات کتب حدیث اور ان کے عالی مرتبت مصنفین کے تعارف وامتیازات پر گفتگو (۸) علم حدیث کی تاریخ، اصطلاحات اور اصول پر خاطر خواہ مواد شامل کیا جائے، اس ضمن میں اصول جرح وتعدیل کا بھرپور اہتمام ہونا چاہیے۔(۹) حدیث کے سواد کو منکرین ومستشرقین نے مشکوک بنانے کا کام کوشش کی ہے، طلبہ علوم نبوت کو اس کی بھرپور آگاہی دلائی جائے۔ اس کے تدارک کی تدابیر سمجھائی جائیں۔

ان نکات کی روشنی میں مذکورہ نصاب تعلیم کا تجزیہ کیا جائے تو خود بخود محسوس ہوگا کہ تدریس حدیث کے نصاب کو مزید بہتر اور موثر بنانے کے لے ابھی کافی گنجایش ہے۔نصاب تعلیم پر تقریباً یک صدی سے گفتگو ہو رہی ہے مگر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں۔علوم وفنون میں روز افزوں اضافے اور عصری ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر نصاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے کر کسی گوشے سے مشورہ ا ہے تو اسے درخور اعتناء سمجھنے کی بہ جائے مدارس کا یک مخصوص طبقہ تابناک ماضی اور مدہ شخصیات کا حوالے دے کر ان مخلصین کی نیتوں پر شبہ ظاہر کر کے قیمتی تجاویز کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ حالانکہ ماضی کی فتح مندیوں کا حوالہ دے کر مستقبل کو محفوظ سمجھ لینا مثبت اور تعمیری سوچ کی غمازی نہیں ا۔

نصاب سازی نظام تعلیم کی بنیادی عصر ہے، جو اب یک مستقل علم بن گیا ہے، جس میں تعلیم وتدریس کی تمام ضروریات اور تقاضوں کو مد نظر رکھ کر مضامین کی تعیین اور طریقۂ تدریس کی حدبندی کی جاتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تدوین نصاب کے وقت ان ماہرین سے بھی استفادہ کیا جائے۔ تاکہ ہمارا تعلیمی نظام مزید پختہ اور فعال بن سکے۔

❁ ❁ ❁

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.